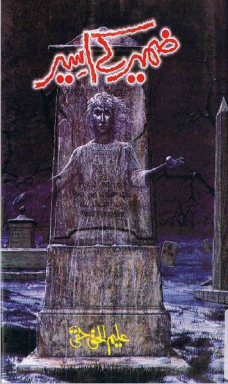
ضمیر کا اسیر
علیم الحق حقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیر کے اسیر

ضمیر کے اسیر

علیم الحق حقی

علم و عرفان پبلشرز
34-اردو بازار لاہور
فون:042-7352332-7232336

جملہ حقوق بحق محفوظ

نام کتاب .... ضمیر کے اسیر
مصنف .... علیم الحق حقی
ناشر .... گل فراز احمد
علم و عرفان پبلشرز، اُردو بازار لاہور
سرورق .... حنا شیخ
پروف ریڈنگ .... رانا عبدالمجید
سن اشاعت .... فروری 2007ء
مطبع .... جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
قیمت .... [redacted] روپے

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ
40-اردو بازار، لاہور۔فون:7223584

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور
فون:042-7352332-7232336

”شاید دنیا کی کوئی بھی خوشی ضمیر کی آزادی و اطمینان پر مقدم نہیں سمجھی جاسکتی۔ اسی لیے ہر وہ آسائش و لذت جس کی انسان آرزو کرسکتا ہے، اس صورت میں بے معنی و بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے جب انسان کا ضمیر کسی بوجھ تلے دبا محسوس ہو۔ وہ دونوں محبت کے متوالے جس عجیب صورت حال کا شکار ہو کر ایک دوسرے کے قریب آئے تھے، اس نے ہمیشہ کے لیے ان کی رُوحوں کو ایک ایسے کرب سے دوچار کردیا تھا جس سے نجات حاصل کرنا اُن کے بس کی بات ہی نہ رہی تھی۔ وہ سب کچھ بھول کر صرف اور صرف ایک دوسرے کو یاد رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ بدلتے منظر اور موسم اُن کی معاونت کر رہے تھے لیکن ایک روز روح کا کرب پھر شدت اختیار کر گیا، ضمیر کا بوجھ ایک ایسی حقیقت بن کر سامنے آیا جس سے نظریں چرانا مشکل ہوگیا۔ اب اُن کے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت نہ رہی تھی کہ وہ اس بوجھ سے چھٹکارا پالیں لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔“

گھوڑا اپنے سوار کو اُٹھائے دوڑے جا رہا تھا۔ اس کی ٹاپوں کی آواز اتنی نہیں تھی، جتنی ٹاپوں کے نیچے آکر چرچرانے والے سوکھے پتوں کی تھی۔ موسم خزاں شروع ہو چکا تھا۔

پگڈنڈیوں اور راستوں پر سوکھے پتوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

گھوڑے نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور ہنہنانے لگا۔

شیر دست نے راسیں کھینچیں اور گھوڑا رک گیا۔شیر دست نے بڑے پیار سے اس کی گردن کو تھپتھپایا۔ وہ جانتا تھا کہ گھوڑا اُسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔یہی نہیں، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ گھوڑا اسے کیا بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے بھی سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

سورج کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔آسمان کو سرمئی بالوں نے پوری طرح ڈھانپ لیا تھا۔فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔موسم خزاں اور موسم سرما کا وصال ہونے والا تھا۔ابھی چند گھنٹے پہلے بھی شیر دست نے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔اس وقت سورج نکلا ہوا تھا۔سورج کو دیکھتے ہوئے اسے خیال آیا کہ مشرق کے شاہ زادے نے ایک طرف جھکتے جھکتے موسم سرما کی پگڈنڈی پر سفر کرنا شروع کر دیا ہے۔

اور اب فضا بتا رہی تھی کہ موسم سرما کی پہلی بارش ہونے والی ہے۔

شیر دست نے اتنا سوچا تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔برف جیسی بوندیں چہرے پر ٹکرائیں تو اسے تازگی کا احساس ہونے لگا۔اگر گھوڑے نے ہنہنا کر اسے چونکا نہ دیا ہوتا تو وہ اسی احساس میں اسیر رہ جاتا۔

اس نے راسیں ڈھیلی چھوڑیں اور گھوڑے کو درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کی طرف لے چلا۔ پھر بھی جھنڈ تک پہنچتے پہنچتے اس کے کپڑے خاصے بھیگ گئے۔ بارش اچانک شروع ہوئی تھی مگر بہت تیز تھی۔جھنڈ اتنا گھنا تھا کہ عام بارش ہوتی تو وہاں اس کا پتا بھی نہ چلتا۔لیکن بارش اتنی تیز تھی کہ جھنڈ میں بھی رم جھم کا سماں بندھ گیا تھا۔لگتا تھا کہ بوندا باندی ہو رہی ہے۔

شیر دست نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا پھر اس نے ادھر ادھر سے ٹوٹی ہوئی شاخیں جمع کر کے ایک جگہ ڈھیر کیں۔اچھا خاصا ڈھیر بن گیا۔اس نے الاؤ دہکا دیا اور اس کے پاس بیٹھ کر ہاتھ تاپنے لگا۔

ذرا دیر کے بعد اس نے گھوڑے کے پہلو کے ساتھ لٹکے ہوئے سامان کے تھیلے میں سے برتن نکالا۔ چھاگل میں پانی اُنڈیلا اور برتن کو آگ پر رکھ دیا۔پھر اس نے تھیلے میں سے چائے کی پتی اور شکر نکال لی۔شکر وہ کم ہی استعمال کرتا تھا۔عام طور پر پھیکی چائے سے ہی

کام چل جاتا تھا۔

چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ سوچتا رہا۔سوچنے کو اس کے پاس کچھ زیادہ نہیں تھا۔اپنا آپ اور اپنے دشمن، جن سے انتقام لینے کے ارادے سے وہ نکلا تھا۔مگر اپنے دشمنوں تک ابھی وہ پہنچ نہیں سکا تھا۔مسئلہ یہ تھا کہ دشمنوں سے وہ واقف نہیں تھا۔

اس نے گہری سانس لی۔سانس کے ساتھ اندر اُترنے والی بھیگی مٹی کی سوندھی سوندھی مہک نے اسے چونکا دیا۔لگا، اسے کچھ یاد آرہا ہے۔ساتھ ہی اس کی بے چینی بھی بڑھ گئی۔اس روز صبح ہی سے وہ مضطرب تھا لیکن اس اضطراب کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔کوئی چیز تھی، جو اسے کچھ کرنے پر اُکسا رہی تھی۔کیا کرنے پر؟ یہ بھی اسے معلوم نہیں تھا۔اس بے خبری کی وجہ سے اس پر جھنجلاہٹ بھی طاری ہو رہی تھی۔

مگر بارش کا امرت پی کر سوندھی مہک اچھالنے والی مٹی نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔اسے سمجھا دیا۔اس نے جان لیا کہ اس کے اندر کے پرانے آدمی کو موسم اشارے کر رہا ہے، کچھ کہہ رہا ہے اور اسے گھر یاد آرہا ہے!

شیر دست بنجارا تھا۔گھر سے اس کا تعلق بس واجبی ہی سا تھا۔اس کے باپ اور چچا نے زمین خرید کے، گھر بنا کے اور کاشت کاری کر کے بنجاروں کی ریت توڑ دی تھی لیکن پھر بھی وہ بنجارے ہی رہے تھے۔ان کا تعلق بنجاروں کی اس نسل سے تھا، جو ہزاروں سال پہلے زمین پر چلنے والے ابتدائی لوگ تھے۔انسانوں کی پہلی نسل!

سو شیر دست بھی بنجارا ہی تھا۔خانہ بدوش لیکن ان کا قبیلہ ان پہاڑی سلسلوں تک ہی محدود تھا۔وہ موسموں کے پروردہ تھے۔موسموں کے اشاروں پر چلنے والے غلام! موسم گرما آتا تو وہ اوپر کی جانب سفر کرتے۔مویشی ان کے ساتھ ہوتے۔وہ اوپر پہاڑوں پر جاتے، جہاں سیاحوں کا ہجوم ہوتا۔ہوٹلوں میں قدم رکھنے کی جگہ نہ ہوتی۔وہ موسم گرما وہاں گزارتے۔ہوٹلوں کو دودھ سپلائی کرتے۔مختلف خدمات انجام دیتے۔موسم گرما کے جاتے جاتے وہاں ویرانی جگہ بنانے لگتی۔موسم سرما کی پہلی بارش ہوتی تو وہ پڑاؤ اٹھاتے اور نیچے وادیوں کی طرف سفر شروع کر دیتے۔موسم سرما گرم وادیوں میں گزارتے۔

بچپن میں ایک بار شیر دست نے اپنے باپ سے پوچھا تھا ''ہم ایسا کیوں کرتے ہیں بابا؟''

"کیسا جا تک؟"

"یہی گرمیوں میں اوپر جانا اور سردیوں میں نیچے آنا۔"

"یہ ہم نے پرندوں سے سیکھا ہے۔ تو نے ابابیلوں کو نہیں دیکھا۔ سردی آنے سے پہلے ہی وہ نیچے کی طرف پرواز کرتی ہیں۔ پھر موسم بہار میں وہ اپنے بلندی والے ٹھکانوں پر آتی ہیں اور وہاں انڈے، بچے دیتی ہیں۔"

"تو ہم لوگ بھی پہاڑوں پر انڈے بچے دیتے ہیں؟" شیر دست نے معصومیت سے پوچھا۔

اس کے باپ کا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا۔ بہت دیر تک اس سے بولا بھی نہیں گیا۔ شیر دست حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ بابا کی آنکھوں میں باقاعدہ آنسو بہنے لگے تھے۔ شیر دست کو تشویش ہونے لگی۔ اس نے پوچھا، تم رو کیوں رہے ہو بابا؟"

اس پر بابا کو اور ہنسی آئی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنی ہنسی پر قابو پایا" اس لیے رو رہا ہوں نادان جا تک کہ ہم انسان لوگ انڈے نہیں دیتے اور نسل بڑھانے کے لیے بھی ہر موسم کے محتاج نہیں۔ مگر تو اپنا دماغ کیوں کھپاتا ہے ان باتوں میں۔"

مگر شیر دست کے خون میں ملاوٹ ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ ان باتوں پر دماغ کھپایا کرتا تھا۔ اس کا باپ جو کبھی قبیلے کا سردار تھا، اپنی جوانی میں ایک بار شہر گیا تھا۔ وہاں اسے ایک لڑکی سے محبت ہوگئی تھی۔ لڑکی بھی اس پر مرمٹی تھی۔ سو ارسلان نے اس سے شادی کر لی اور اسے پہاڑوں پر لے آیا۔ ارسلان کو نجمہ کی یہ بات اور اچھی لگی کہ اس کی محبت میں ڈوبی، اس لڑکی نے خود کو تبدیل کرلیا۔ کہاں وہ شہری لڑکی، کہاں یہ سخت پہاڑی زندگی...... اور اس پر خانہ بدوشی۔ چنانچہ ارسلان بھی اس کا بہت خیال رکھتا۔ اس میں غیر محسوس طور پر تبدیلی آرہی تھی۔

سردار ارسلان کے دو ہی بچے تھے۔ لڑکا شیر دست...... اور بیٹی تہمینہ۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد سے ارسلان نے پیسے جوڑنے شروع کر دیے تھے۔

جس وقت شیر دست بارہ سال کا تھا، ارسلان نے زمین خرید لی۔ یہ اس کی طرف سے نجمہ کے لیے تحفہ تھا اس نے سوچا تھا کہ بچوں اور نجمہ کو نگر نگر پھرانے کے بجائے ٹک کر رہنے دیا جائے۔ وہ خود تو اول و آخر بنجارا ہی تھا۔

شیر دست کو وہ موسم گرما آج بھی یاد تھا۔ اس میں انہوں نے گندم کی فصل کاٹی تھی......

اپنی زمینوں سے۔ پھر بابا اوپر چلا گیا تھا۔ اسے تہمینہ کو بھی ٹک کر رہنا بہت اچھا لگا تھا۔ شیر دست زمینوں پر کام کرتا تھا اور تہمینہ مویشیوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ وہ بہت خوش تھے۔

مگر بابا وقت سے پہلے ہی واپس آگئے تھے۔ ان کے ساتھ چاچا شہباز، چچی اور ان کے بچے بھی تھے...... گل باز اور زرینہ۔ ان کا رشتہ یوں اور پکا ہوگیا تھا کہ تہمینہ، گل باز اور زرینہ، شیر دست سے منسوب تھی۔

ماں نے بابا سے پوچھا تھا" تم وقت سے پہلے کیسے آگئے جی؟"

"بس اب میں یہیں رہوں گا۔ کہیں نہیں جاؤں گا۔" بابا نے جواب دیا تھا۔

"مگر کیوں؟

ماں کے بہت پوچھنے پر بابا نے بتایا تھا کہ قبیلے والوں نے انہیں نکال دیا ہے۔ اب ان کا قبیلے سے کوئی تعلق نہیں۔ خانہ بدوشوں میں کسی کا گھر بنا کر رہنا بہت بڑا جرم ہوتا ہے۔ اس جرم کی سزا ضرور ملتی ہے۔ خواہ یہ جرم سردار ہی نے کیا ہو۔

چچا شہباز بھی بابا کے ساتھ ہی قبیلہ چھوڑ آئے تھے۔ انہوں نے برابر والی زمین خرید لی۔ دونوں گھرانے مل کر وہاں رہنے لگے۔ اس موسم میں انہوں نے مکئی بھی کاشت کی لیکن بابا اب بہت چپ اور اُداس رہنے لگے تھے۔ اگرچہ وہ اس کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔

شیر دست سوچتے سوچتے چونک پڑا۔ درختوں کے درمیان سے سورج کی ایک ننھی سی کرن اتر آئی تھی اور اس کے ہاتھ کی پشت پر گدگدی کر رہی تھی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ بارش رک گئی تھی اور نرم، سہمی ہوئی سی دھوپ نکل آئی تھی۔

شیر دست نے سر جھٹکا اور دوبارہ اپنے خیالوں میں کھو گیا۔

شیر دست کو وہ عرصہ بہت اچھا لگا۔ اسے اپنے گھر، اپنی زمینوں سے پیار ہوگیا۔ مگر اس کی رگوں میں دوڑنے والا بنجاروں کا خون خاص طور پر موسم بہار میں اسے بہت ستاتا تھا۔ ان دنوں میں وہ بے چین ہو جاتا مگر وہ محسوس کرتا کہ بابا کے لیے وہ وقت اس سے زیادہ کڑا ہے۔ پھر یوں ہوا کہ بابا اسے لے کر جنگل کی طرف نکل جاتے۔ وہ شکار کھیلتے، درختوں سے شہد کے چھتے اتارتے۔ وہ جنگل ہی میں گوشت بھونتے اور بے فکری سے سوتے۔ اس عرصے میں بابا نے اسے شکار کی عجیب اور انوکھی ترکیبیں سکھائیں۔

مگر شیر دست نے ایک عجیب بات دیکھی۔ بابا جو ہمیشہ کسی کڑیل جوان کی طرح

نظر آتے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے اور بہت تیزی سے بوڑھے ہوگئے۔ شیر دست اب بڑا ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے قبیلے سے...... اپنی اصل سے ٹوٹنے کا دکھ ہے جو اندر ہی اندر انہیں چاٹ رہا ہے۔

''تم تو خوش نہیں ہو بابا۔''

بابا نے سرد آہ بھر کے کہا ''میں بہت خوش ہوں'' لیکن ان کے لہجے میں ناخوشی تھی۔

''مگر قبیلہ بہت یاد آتا ہے۔''

''اسی لیے تو پوچھتا ہوں کہ ہم دوبارہ قبیلے میں شامل نہیں ہو سکتے''

''یہ ناممکن ہے جاتک۔'' بابا نے گہری سانس لے کر کہا ''یاد رکھنا کہ قبیلے سے ٹوٹتے ہیں تو دشمنی جنم لیتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ روئے زمین پر قبیلے کی دشمنی سے بڑی کوئی دشمنی نہیں ہوتی۔ جو قبیلے سے ٹوٹ جائے، اسے بدرنگ کہتے ہیں...... غدار!''

''لیکن بابا، تم نے تو قبیلے کو نہیں چھوڑا۔ قبیلے نے تمہیں چھوڑا ہے۔''

''اس لیے کہ میں نے قبیلے کی ریت توڑی تھی۔'' بابا نے آہ بھر کر کہا۔ ''پہلی بار تو انہوں نے مجھے معاف کر دیا تھا، جب میں نے تیری ماں سے شادی کی تھی۔''

''پر بابا، تم نے ریت کون سی توڑی تھی؟''

''ہم بنجارے زمین نہیں خریدتے۔ ساری دنیا ہماری ہے اور ہم ٹک کر نہیں بیٹھتے۔ بیٹھنا موت ہے اور چلتے رہنا زندگی۔''

''تو بابا، تم نے یہ ریت کیوں توڑی؟''

''محبت کی خاطر جاتک۔ تیری ماں نے میری خاطر اپنا گھربار چھوڑا۔ اپنی زندگی بدلی۔ نگر نگر کی خاک چھانی۔ میں نے سوچا کہ میں بس اسے زمین دے کر ہی اس کا قرض اُتار سکتا ہوں۔ بس پھر میں نے اسے یہ گھر دے دیا۔''

''مگر تم خوش نہیں ہو بابا۔''

''خوش ہوں، بہت خوش ہوں۔ پر کبھی کبھی اُداس ہو جاتا ہوں۔ لگتا ہے، میں پنجرے میں بند پنچھی ہوں۔''

اس بار گھوڑے نے ہنہنا کر شیر دست کو چونکا دیا اور وہ یادوں کی دنیا سے باہر آ گیا ''کیا بات ہے بہادر؟'' اس نے گھوڑے کو پکارا۔

گھوڑا پھر ہنہنایا۔

شیر دست اٹھ کر گھوڑے کی طرف چلا گیا اور محبت سے اس کی گردن سہلانے لگا۔

گھوڑا ہنہناتا رہا ''میں تیری بات سمجھ رہا ہوں بہادر۔'' یہ کہتے کہتے شیر دست کی سمجھ میں اپنی بےچینی کا سبب آ گیا۔ جو صبح سے اسے پریشان کر رہی تھی۔

وہ موسموں کا پروردہ تھا۔ موسم کے اشاروں کو سمجھنا اس کے لہو میں شامل تھا۔ اس نے صبح موسم کا اشارہ سمجھ لیا تھا لیکن سمجھ کر بھی نہیں سمجھا تھا۔ لہو میں شامل موسموں کی فہم اور دانش کہیں بہت گہرائی میں تھی اور اپنی سطح پر وہ جاہل مطلق تھا۔ وہ اضطراب اسی جہالت کی وجہ سے تھا۔ مگر اب اس نے جان لیا کہ موسم کیا کہہ رہا ہے۔ موسم نے اسے بتایا تھا کہ برف باری کی رُت سر پر آ گئی ہے۔ لہٰذا اسے گھر کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔

گھر؟ یہ سوچتے ہی اس کا وجود تلخی سے بھر گیا۔ گھر اب کہاں؟ چار چاند پہلے جب وہ وہاں سے چلا تھا تو گھر نہیں، وہاں کھنڈر تھا۔ وہاں بربادیاں رقص کر رہی تھیں۔ ہر طرف تباہی کے پیروں کے نشان نظر آ رہے تھے، جس نے ان کی پوری زمین کو روند ڈالا تھا۔

''ٹھیک ہے بہادر۔'' اس نے گھوڑے سے سرگوشی میں کہا۔

''اب ہم نیچے چلیں گے...... گھر کی طرف۔''

✿ ✿ ✿

جانے پہچانے راستے سامنے آئے تو سینے میں شیر دست کا دل ڈولنے لگا۔ وہ گھر واپس جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گھر اُجڑ چکا ہے پھر بھی گھر سے اسے عجیب سی محبت محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن گھر کی محبت کے جھولے میں پینگیں لیتا ہوا دل خوف زدہ بھی تھا۔ اس کے اندر کوئی طاقت تھی، جو اسے سمجھا رہی تھی کہ اسے پلٹ جانا چاہیے۔ وہاں جا کر اسے دکھ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ پھر بھی وہ گھر کی طرف بڑھتا رہا۔

بالآخر اسے اپنی زمینوں کی پہلی نشانی نظر آ گئی۔ وہ ایک بڑے دائرے کی شکل میں چنار کے آٹھ درختوں کا جھنڈ تھا۔ ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے یہ پودے اس نے خود لگائے تھے اور ہر روز باقاعدگی سے انہیں پانی بھی دیتا رہا تھا۔ اس جھنڈ کے درمیان پہنچ کر اس نے گھوڑے کی راسیں کھینچ لیں۔ گھوڑا رک گیا۔ اس نے ایک نظر آسمان کو دیکھا۔ وہ جھٹ پٹے کا سماں تھا۔ پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ میناؤں کے غول چنار کی شاخوں پر آ بیٹھے تھے۔ فضا

میں ان کے چہچہے گونج رہے تھے۔ شیر دست کو ایسا لگا کہ اس کے دل میں عجیب سی خوب صورتی انگڑائی لے رہی ہے لیکن اگلے ہی لمحے دل کی ویرانی نے اس خوب صورتی کو نگل لیا۔

وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ وہ ایسی عجیب سی کیفیت تھی کہ اس کا ہلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

چند منٹ یوں ہی گزرے۔ مگر اسے وہ گھنٹوں کی طرح لگے۔ اس جھنڈ کی یادیں متحرک لمحوں کی طرح اس کی نگاہوں میں پھر گئیں۔ پھر وہ گھوڑے کو دلکی چلاتا جھنڈ سے نکلا۔ وہ جس پگڈنڈی سے گزر رہا تھا، اس کے اطراف میں ان کی زمین تھی۔ ایک طرف چاچا شہباز کی زمین تھی اور دوسری طرف ان کی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کسی نے زمین پر فصل کی تھی اور اب مکئی پوری طرح تیار تھی۔

اس نے گھوڑے کو روکا اور نیچے اُتر آیا۔ کنارے سے اس نے تین چار چھلیاں توڑ کر اپنے تھیلے میں ڈالیں اور چوکنے پن سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا داہنا ہاتھ ریوالور نکالنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اسے فصل تیار دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔ یہ ناممکن بھی نہیں تھا کہ زمین پر کسی نے قبضہ کر لیا ہو۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا لیکن فصل کو چھوڑ کر اسے کہیں انسانی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے۔ جس جگہ کوئی انسان رہ رہا ہو، وہاں ایسا سناٹا کبھی نہیں ہوتا۔ وہ سناٹا بتا رہا تھا کہ قرب و جوار میں کوئی انسان موجود نہیں ہے۔

کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا اور دونوں کچے مکان نظر آئے تو اس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی تشویش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ وہ جس وقت یہاں سے رخصت ہوا تھا تو یہ مکان کھنڈر بنے کھڑے تھے۔ چھتیں گر چکی تھیں۔ دیواریں دھوئیں سے کالی ہو رہی تھیں۔ مگر اب وہ مکان بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ کسی نے ان کی مرمت کی تھی۔ دیواروں کو لیپا بھی گیا تھا۔

شیر دست نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور ریوالور ہاتھ میں لے کر بہت محتاط انداز سے آگے بڑھنے لگا۔ یہ بات طے تھی کہ کوئی وہاں رہ رہا ہے یا رہتا رہا ہے اور وہ جو کوئی بھی ہے، اس کا امکان کم ہی ہے کہ وہ اس کی واپسی کو پسند کرے گا۔

وہ چوکنے انداز میں اپنے گھر کی طرف بڑھتا رہا لیکن اس کے خدشات کے برعکس کوئی اسے چیلنج کرنے نہیں نکلا۔ کسی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ پھر بھی وہ محتاط ہی رہا۔ وہ

ایک پہلو سے گھر کے دروازے تک پہنچا۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا گیا۔

شیر دست چند لمحے دیوار سے چپکا اندر کی سن گن لیتا رہا۔ پھر وہ جھپٹ کر اندر گھسا۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھا لیکن سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ گھر میں زندگی کے آثار بھی نہیں تھے۔

اس نے پورے گھر کا جائزہ لیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کے جانے کے بعد وہاں کوئی رہا بھی نہیں ہے۔ مگر پھر شکستہ مکان کی مرمت کس نے کی؟ یہ اس کے لیے بہت بڑی اُلجھن تھی۔

اس نے دونوں کمروں میں لالٹین جلا کر باہر رکھ دی۔ تاکہ آنگن میں بھی روشنی رہے۔ گھر کا دروازہ اب کھلا تھا۔ لالٹین چھوڑ کر وہ اس کمرے میں گیا، جہاں وہ سوتا تھا۔ اس کی چارپائی موجود تھی۔ برابر والی کوٹھری میں بستر موجود تھا۔ وہ بستر نکال کر لایا اور چارپائی پر جانا پہچانا بستر بچھا دیا۔ پھر وہ لحاف نکال لایا۔ تھکن سے نڈھال جسم بستر پر بکھر جانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

مسلسل سفر کی تھکن اسے اکسا رہی تھی کہ وہ بستر پر لیٹے اور سو جائے لیکن احتیاط کا تقاضا کچھ اور تھا۔ گھر اور اس کے اطراف کی تبدیلیاں کسی اور کی موجودگی کی گواہی دے رہی تھیں اور اس کا مطلب خطرہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ چاچا کے گھر کا بھی جائزہ لیا جائے۔

وہ ریوالور ہاتھ میں لیے دروازے کی طرف چلا۔ تھکن ایسی تھی کہ ایک لمحے کو اس نے سوچا، دروازہ بند کرے اور جا کر سو جائے۔ مگر کچھ سوچ کر وہ باہر نکل ہی آیا۔ بہت محتاط انداز میں وہ چاچا کے مکان کی طرف چل دیا۔

اس وقت تک اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ حالاں کہ سورج غروب ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی لیکن موسم سرما میں رات بہت تیزی سے شام کو نگل لیتی ہے۔ وہ اسی طرح دیوار سے چپکا چپکا چاچا کے مکان کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازے کو دھکیلا مگر دروازہ بند تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ گویا اندر کوئی موجود تھا۔

پہلے اس نے سوچا، دیوار پھاند کر اندر جائے مگر پھر خیال آیا کہ کنڈی کھٹکھٹانا بہتر رہے گا۔ یہ سوچ کر اس نے کنڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کے ساتھ ہی اسے ہنسی آ گئی۔

کنڈی باہر سے لگی ہوئی تھی۔ اس کا خدشہ بے بنیاد تھا۔

وہ کنڈی کھول کر اندر چلا گیا۔

چاچا کے مکان کا حال بھی اس کے اپنے مکان جیسا تھا مگر یہاں باورچی خانے کو دیکھ کر اسے یقین ہوگیا کہ وہاں کوئی رہتا رہا ہے لیکن اس بار پریشان ہونے کے بجائے اس کا دل سکون سے بھر گیا۔ اس لیے کہ بات پوری طرح اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ مکان کی مرمت، صفائی ستھرائی، مکئی کی بوائی، یہ سب کچھ یقیناً گل باز کا کیا دھرا تھا۔ وہ یقیناً گل باز کا کیا دھرا تھا۔ وہ یقیناً واپس آیا ہوگا۔ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے اور گل باز کے سوا بچا ہی کون تھا۔

مگر سوال یہ تھا کہ گل باز واپس کیوں چلا گیا؟ پھر بھی یہ کوئی بڑی الجھن نہیں تھی۔

اسے یقین تھا کہ گل باز کہیں قریب ہی گیا ہوگا اور کسی بھی دن واپس آجائے گا۔ وہ اپنے گھر چلا آیا۔ لحاف اوڑھ کر لیٹتے ہی اسے نیند آگئی۔ وہ مہینوں سے بستر کو ترسا ہوا تھا۔

* * *

دن کی روشنی میں شیر دست نے جائزہ لیا تو وہ سب کچھ اتنا غیر معمولی نہیں لگا۔ اسے احساس ہوا کہ زمین پر تیار ہونے والی فصل میں ڈرانے والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ بات یقینی تھی کہ گل باز واپس آیا تھا۔ اسی نے مکانوں کی مرمت کی تھی اور فصل کا اہتمام بھی کیا تھا۔

پکی ہوئی فصل کی اپنی ایک کشش ہوتی ہے۔ کچھ دنوں کے لیے سب کچھ بھول کر وہ ایک کسان بن گیا۔ دن بھر وہ فصل کی کٹائی کرتا۔ شام کو چھلیاں جمع کر کے اناج کی کوٹھری میں پہنچاتا اور چارے کا ڈھیر ایک طرف لگاتا۔ اس کام میں وہ تھک کر چور ہو جاتا۔ اس کے بعد نیند بہت اچھی آتی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اب اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔

وہ دن بڑی طمانیت کا تھا، جب اس نے فصل کی کٹائی مکمل کی۔ جہاں فصل کھڑی تھی، وہاں اب میدان تھا اور دور دور تک دیکھ سکتا تھا۔ اناج کی کوٹھریاں چھلیوں سے بھر گئی تھیں اور چارا اتنا تھا کہ اب اسے مویشیوں کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر وہ دنوں کی گنتی بھول چکا تھا۔

اگلی صبح وہ سو کر اٹھا تو آلوچے اور خوبانی کے درختوں کو غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ موسم سرما گزر چکا ہے۔ اور موسم بہار کی آمد آمد ہے۔ دونوں درختوں پر اکا دکا شگوفے کھلے ہوئے تھے۔

بہار کی اس پہلی صبح نے اسے اداس کر دیا۔ اسے اپنے کھوئے ہوئے لوگ اور اپنا لٹا ہوا

گھر بری طرح یاد آیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ انہیں کبھی بھولا ہو۔ مگر گھر پر قیام کے عرصے میں فصل کی ذمے داری نے اس یاد کو دبا دیا تھا۔ مگر اب گھر کی، گردوپیش کی ویرانی اسے کاٹنے کو دوڑ رہی تھی۔

وہ گھر کے دروازے پر جا بیٹھا اور یادوں میں کھو گیا۔ وہ کیسے سکون کے دن تھے......

چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے بھرے۔ ماں صبح بھینسوں کا دودھ نکالتی، ناشتا بناتی۔ تہمینہ اس کا ہاتھ بٹاتی۔ اسے اور بابا کو کھیتوں سے جب فرصت ملتی، وہ شکار کھیلنے جنگل کی طرف نکل جاتے۔

دیکھتے ہی دیکھتے سامنے کا منظر گھر کے لوگوں سے...... اور ان کی آوازوں سے بھر گیا۔ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے انہیں دیکھتا رہا۔

پھر اس کی نگاہوں کے سامنے جیسے وہ منحوس دن دوبارہ طلوع ہوگیا۔

بابا کی طبیعت کئی دن سے خراب تھی۔ اچھا یہ تھا کہ کھیتوں کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ فصل تقریباً تیار تھی۔ بس دھوپ کی ضرورت تھی اور وہ ان دنوں خوب مل رہی تھی۔ لہٰذا پریشانی کوئی نہیں تھی۔ مگر وہ خالی بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا۔

وہ ایسے ہی اکتایا ہوا گھر کی دہلیز پر بیٹھا تھا کہ گل باز آگیا ''کیا حال ہے یارا؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بیٹھے بیٹھے طبیعت آوازار ہوگئی ہے۔'' شیر دست نے بیزاری سے کہا۔

''ادھر بھی یہی حال ہے۔'' گل باز نے آہ بھر کر کہا ''کیا خیال ہے، شکار پر نہ چلیں۔''

شیر دست چند لمحے سوچتا رہا ''! چاچا جی بھی چلیں گے؟''

''نہیں۔ وہ اب کٹائی سے پہلے کہیں نہیں جائیں گے۔''

''بابا کی طبیعت بھی خراب ہے۔'' شیر دست نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''تو ہم دونوں چلیں گے۔''

شیر دست کبھی خود مختاری سے شکار پر نہیں گیا تھا۔ یہ خیال ہی اس کے لیے سنسنی آمیز تھا۔ مگر بابا کا سوچ کر وہ بجھ گیا ''بابا اجازت نہیں دیں گے۔'' اس نے اداسی سے کہا۔

''تاؤ سے میں اجازت لے لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔'' گل باز اٹھ کھڑا ہوا ''میں ذرا ان کی طبیعت بھی پوچھ لوں۔''

شیر دست وہیں دہلیز پر بیٹھا سوچتا رہا۔ گل باز گھر میں چلا گیا۔ ذرا دیر بعد وہ باہر آیا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں ''لو یارا، اجازت مل گئی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اب

تیاری پکڑو۔"

"سچ؟" شیر دست بھی جوش کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کیا میں جھوٹ بولوں گا۔"

دونوں نے جلدی جلدی تیاری کی اور ایک گھنٹے میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے خوب ڈٹ کر ناشتا بھی کرلیا تھا۔ وہ اپنے اپنے گھوڑے پر بیٹھے اور جنگل کی طرف چل دئے۔ وہ پہلا موقع تھا کہ صرف وہ دونوں شکار پر جا رہے تھے۔

پہلی بار آزادی کے ساتھ قدم اٹھانے والوں کے ساتھ قسمت ضرور دیتی ہے۔ جنگل میں داخل ہونے کے ایک ہی گھنٹے کے بعد انہیں پہلا شکار مل گیا۔ وہ ایک جنگلی بکرا تھا۔ انہوں نے اسے ذبح کر کے کھال اتاری اور اس کا گوشت بھوننے میں مصروف ہو گئے۔ گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو نے ان کی بھوک اور بڑھادی تھی۔

خوب اچھی طرح پیٹ بھرنے کے بعد انہیں نیند آ گئی۔ وہ ایک درخت کے نیچے پاؤں پسار کر لیٹے اور بے خبر سو گئے۔ انہیں اس طرف سے اطمینان تھا کہ جنگل میں وحشی درندے نہیں ہیں لہٰذا خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ سانپ وغیرہ ان کے لیے معمول کی بات تھی۔

وہ سو کر اٹھے تو سہ پہر گزر رہی تھی۔ انہوں نے بچے ہوئے گوشت کی پوٹلی باندھی اور چل دئے۔ اب انہیں گھر لے جانے کے لیے شکار کرنا تھا۔ مگر اچانک ہی قسمت نے نگاہیں پھیر لی تھیں۔ وہ شکار کی تلاش میں بھٹکتے پھرے۔ مگر جنگل کے جانور جیسے خبردار ہو گئے تھے۔

مایوس ہو کر انہوں نے درختوں کی طرف توجہ کی اور ڈھونڈ ڈھانڈ کر شہد کے چار بڑے بڑے چھتے اتار لیے۔ اس دوران شام ہو چکی تھی اور رات سر پر آ رہی تھی۔ اصولاً انہیں واپس چل دینا چاہیے لیکن خالی ہاتھ گھر واپس جانا ان کے لیے بے عزتی کی بات تھی۔ چنانچہ شکار کی تلاش میں بڑھتے گئے۔

"یارا...... کوئی پرندہ ہی سہی۔" گل باز نے جھنجلا کر کہا اور پرندوں کے ایک غول کا نشانہ لینے لگا۔

شیر دست نے اس کی بندوق کی نالی جھکا دی "نہیں یارا، یہ بے اصولی ہوگی۔"

"کیا مطلب؟"

"بابا کہتے ہیں، بسیرے کے لیے جاتے ہوئے پرندوں کو کبھی شکار نہیں کرنا چاہیے۔"

"ٹھیک کہتے ہو، مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔" گل باز نے کہا۔

"انہیں احساس بھی نہیں ہوا کہ رات ہو چکی ہے۔ شکار کی خواہش نے انہیں ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا۔ بالآخر انہیں جنگلی بکروں کا ایک جھنڈ نظر آ گیا۔ دونوں نے بے تابی سے نشانے لیے۔ جھنڈ کے منتشر ہوتے ہوتے چار بکرے گر چکے تھے۔ دونوں کے دو دو نشانے ٹھیک بیٹھے تھے۔

شکار ہاتھ لگ گیا تو انہیں گھر کی فکر ہوئی اور رات ہونے کا احساس بھی ہو گیا۔ رات کے اندھیرے میں سمتوں کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ وہ بھٹکتے رہے۔ یہاں تک کہ جنگل پوری طرح ان کی سمجھ سے باہر ہو گیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جنگل میں ہی کوئی مناسب سی جگہ دیکھ کر شب بسری کی جائے۔

لیکن رات کو وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکے۔ جہاں انہوں نے پڑاؤ ڈالا، وہاں مچھر بہت زیادہ تھے۔

صبح اُٹھتے ہی انہوں نے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد ندی پر جا کر منہ دھویا اور گزشتہ روز کے بچے ہوئے گوشت سے ناشتا کیا۔ پھر انہوں نے تیاری کی اور گھر کے لیے چل پڑے۔ دن کے اُجالے نے ان کے لیے جادو کا سا کام کیا تھا۔ کہاں تو رات کے وقت کچھ پلے ہی نہیں پڑ رہا تھا۔ کہاں دن کے اجالے میں یہ حال ہوا کہ وہ حیران تھے کہ اتنا صاف اور واضح راستہ رات کو انہیں نظر کیوں نہیں آیا۔

وہ بہت خوش تھے۔ ان کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ پہلی بار وہ اپنے طور پر شکار کر کے گھر لے جا رہے تھے...... اور وہ بھی چار پہاڑی بکرے! ساتھ میں شہد کے چار چھتے بھی تھے...... اور وہ بھی ماں باپ کی خوشی دیکھنے کے لیے مرے جا رہے تھے۔ جانتے تھے کہ انہیں کتنی شاباش ملے گی۔ خاص طور پر ان کے باپ تو بہت ہی خوش ہوں گے۔ ان پر فخر کریں گے۔

اب گھوڑے پہاڑی ڈھلان پر دوڑ رہے تھے۔ دور وادی میں انہیں اپنی زمینیں نظر آ رہی تھیں۔ مگر وہ محض اندازہ ہی تھا۔ اپنے گھر انہیں یہاں سے نظر نہیں آ سکتے تھے۔

شیر دست گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے چونک سا گیا۔ زمینوں کی طرف سے ہلکا دُھواں سا اُٹھتا نظر آ رہا تھا "یارا...... دُھواں دیکھ رہے ہو؟" اس نے گل باز کو پکارا۔

گل باز خود بھی اُدھر ہی دیکھ رہا تھا "ہاں...... دُھواں لگتا ہے لیکن زیادہ نہیں ہے۔"

دونوں نے ایک ساتھ گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور دھوئیں کی سمت دیکھتے رہے

''ضروری نہیں کہ یہ اپنی زمینوں کی طرف ہو۔'' گل باز نے خیال آرائی کی۔

''ٹھیک کہتے ہو۔لیکن آس پاس ہی۔''

''ممکن ہے، بابا نے کچرا جلایا ہو۔''

''ممکن ہے۔''

گل باز غیر مطمئن نہیں تھا۔لیکن شیر دست پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گل باز کی بات قرین قیاس ہے۔مگر نجانے کیوں اس کا دل بیٹھا جارہا تھا۔اسے لگ رہا تھا کہ کوئی بہت خراب، بہت خوف ناک بات رونما ہو چکی ہے۔

اب وہ نیچے وادی میں پہنچ چکے تھے۔گھوڑے پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ شیر دست بھی کچھ دیر کے لیے اپنے اندیشے بھول گیا۔وہ یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ اس کا لایا ہوا شکار دیکھ کر بابا کتنے خوش ہوں گے......اوراس کی منگیتر زرینہ کتنا فخر کرے گی اس پر۔

سامنے کوئی ایک فرلانگ دور وہ موڑ تھا جہاں سے مڑتے ہی انہیں اپنے گھر اور زمینیں نظر آتی تھیں۔ان کے دل اب عجیب طرح سے دھڑک رہے تھے۔نیچے اترنے کے بعد دھواں انہیں زیادہ واضح طور پر نظر آرہا تھا اور دھواں واقعی کم تھا۔

لیکن موڑ مڑتے ہی وہ دونوں پتھر کے بت بن کے رہ گئے!

دھواں ان کے جلتے ہوئے گھروں سے،کھلیانوں سے اوراناج کی کوٹھریوں سے اٹھ رہا تھا۔آگ خود ہی بجھ چلی تھی۔اسی لیے دھواں کم تھا اور دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ آگ رات کو کسی وقت لگی ہو گی۔

انہیں ہوش اس وقت آیا جب گھوڑے گل باز کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔انہوں نے لگامیں کھینچیں اورگھوڑوں کے رکنے سے پہلے ہی نیچے کود گئے۔انہیں گھوڑوں کو باندھنے کا ہوش بھی نہیں تھا۔

دونوں گھر کے دروازے کی طرف لپک رہے تھے کہ ٹھٹک گئے۔مویشیوں کے باڑے کے پاس زمین پر کچھ تھا،جس نے ان کی توجہ کھینچ لی۔وہ اس طرف بڑھے...... اور وہاں پہنچ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو دیکھتے رہے۔

شیر دست کو لگ رہا تھا کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہے۔چاچا شہباز کے

چہرے پر خوف، دہشت اوراذیت کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ان کا پورا جسم زخموں سے چور چور ہو کر رہ گیا تھا۔چہرہ بھی لہولہان تھا۔زخموں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی نکیلی چیز چبھو چبھو کر لگائے گئے ہیں۔پھر اس نے دیکھا کہ چاچا کے کپڑے بھی کئی جگہ سے پھٹے ہوئے ہیں اوراس کا سبب یہ تھا انہیں گھوڑے سے باندھ کر گھسیٹا گیا تھا۔

''ماں......زرینہ......''

گل باز کی آواز نے اسے چونکا دیا۔اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔گل باز اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔اگلے ہی لمحے گل باز گھر کے دروازے کی طرف بھاگا۔

شیر دست بھی دروازے کی طرف چل دیا۔جس وقت وہ اندر پہنچا،گل باز چچی کی لاش پر جھکا ہوا تھا۔اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں،جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔

شیر دست نے دیکھا، چچی کے جسم پر صرف ایک ہی زخم تھا،جو فیصلہ کن ثابت ہوا تھا۔چچی کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر نیزہ گھونپا گیا تھا۔

شیر دست نے نرمی سے گل باز کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔گل باز نے سر اٹھا کر دیکھا تو شیر دست کانپ گیا۔گل باز کی آنکھیں جیسے بے نور ہو گئی تھیں اوراس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق نہیں تھی۔گل باز نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''ہوش میں آؤ گل باز۔''

گل باز تھکے تھکے قدموں سے کمرے کی طرف چل دیا۔

کمرے کا منظر اور روح فرسا تھا۔وہاں گل باز کی بہن اور شیر دست کی منگیتر زرینہ کی لاش پڑی تھی۔اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ زیادتی کرنے سے پہلے اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔

شیر دست نے قریب پڑی چادر اٹھا کر لاش پر ڈال دی۔زرینہ کو اس حال میں دیکھ کر اس کی کیفیت عجیب سی ہو گئی تھی۔زرینہ لڑکپن ہی سے اس سے منسوب تھی۔مستقبل کے رشتے نے ان کے درمیان ایک لطیف تعلق پیدا کر دیا تھا۔اظہارِ محبت تو کبھی نہیں ہوا تھا۔لیکن زرینہ جس طرح چوری چوری اسے دیکھتی اور چوری پکڑے جانے پر نظریں چراتی، وہ شیر دست کو بہت اچھا لگتا تھا۔

گل باز کے حلق سے عجیب سی غراہٹ نکلی۔شیر دست نے چونک کر اسے دیکھا۔

اسے احساس ہوا کہ ان چند لمحوں میں گل باز یکسر بدل کر رہ گیا ہے، اب وہ گم صم نہیں تھا۔اس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی ......اور آنکھوں میں، بہت گہرائی میں کہیں جیسے کوئی آتش فشاں اُبل رہا تھا۔

گل باز بولا تو اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا"آؤ یارا تمہارے گھر کو بھی دیکھ لیں۔"

یہ جملہ شیر دست کو کوڑے کی طرح لگا۔پھر اس کا وجود خوف سے بھر گیا۔یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اسے اپنے گھر کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔مگر اب خیال آیا تو وہ پوری جان سے لرز گیا۔وہ جانتا تھا کہ وہاں بھی یہی کچھ دیکھنے کو ملے گا۔

گل باز اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

شیر دست اس کے ساتھ چل دیا۔

آدمی بہت کچھ دیکھ رہا ہو اور بدترین کی توقع کر رہا ہو تو بھی تباہی اور بربادی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا صدمہ کم نہیں ہوتا۔شیر دست کے گھر بھی وہی کہانی تھی، جو گل باز کے گھر کی تھی۔مگر اپنے گھر میں وہ منظر دیکھ کر شیر دست کے جسم میں جیسے جان ہی نہیں رہی۔

لیکن وہاں ایک فرق تھا!

اپنی بہن کی لاش سے منہ پھیر کر شیر دست جانے لگا تو اس نے واضح طور پر ایک اذیت بھری آواز سنی۔اس کے قدم ٹھٹک گئے۔مگر اسے آواز پر یقین نہیں آیا۔وہ شاید اس کی سماعت کا وہم تھا۔پھر بھی آواز دوبارہ سن کر وہ رہ نہیں سکا۔وہ پلٹ کر بہن کی لاش کے پاس گیا۔اس نے بہن کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اس کے خون میں نہائے زخم زخم چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔یہ چہرہ کبھی بے حد حسین تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس کی کلیوں سے زیادہ پاکیزہ اور معصوم بہن مرنے سے پہلے ہی مر گئی تھی۔اس وقت جب اس کی معصومیت اور پاکیزگی مر گئی تھی۔

لیکن نہیں......تہمینہ ابھی زندہ تھی!

شیر دست کو اس کی پلکوں میں ہلکی سی لرزش نظر آئی۔پھر اس کے ہونٹ اتنی نزاکت سے لرزے، جیسے وہ کوئی وہم ہو۔مگر اس کے بعد اس کی آنکھوں کے کناروں پر جو نمی نمودار ہوئی، وہ ناقابل تردید تھی۔

گل باز، شیر دست کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔اس نے آہستہ سے کہا"یارا...... یہ زندہ ہے۔"

شیر دست نے بہن کو جھنجوڑ ڈالا"مینا......میری بہن، آنکھیں کھول۔بتا کہ یہ سب کیا ہوا؟ اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

تہمینہ کے منہ سے اذیت بھری چیخ نکل گئی۔اس کی پلکیں پھڑ پھڑائیں۔ایک لمحے کو آنکھیں کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔

"آہستہ یارا......نرمی سے" گل باز نے شیر دست کو ٹوکا۔

شیر دست یوں ساکت ہو گیا، جیسے سانس لینے کی جنبش بھی بہن کے لیے اذیت ناک ہو"آنکھیں کھول میری بہن...... مجھے بتا، وہ لوگ کون تھے؟"

تہمینہ نے آنکھیں کھولیں۔ایک لمحے وہ خالی خالی نگاہوں سے شیر دست کو دیکھتی رہی۔پھر اس کی آنکھوں میں شناسائی ابھری۔اس کے ہونٹ کانپے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

"بول میری بہن۔" شیر دست گڑگڑایا۔

تہمینہ کے ہونٹ پھر کانپے لیکن کوئی آواز نہیں تھی۔

شیر دست نے اس کے ہونٹوں سے کان ملا دیے"بول میری بہن۔"

"بھائی...... بھائی......" وہ بہت کمزور آواز تھی۔

"بتا میری بہن، وہ کون لوگ تھے؟"

"بھائی، بابا......اور ماں......وہ ہانپ گئی۔سانس ٹوٹنے لگی۔

"بتا میری بہن، ہمت کر......"

"بھائی......وہ جنگلی......بدلہ......"

اس بار صرف آواز ہی نہیں، سانس کی دوڑی بھی ٹوٹ گئی۔تہمینہ کی گردن ڈھلک گئی۔کھلی ہوئی آنکھیں بے نور ہو گئی تھیں۔گلباز نے جھک کر اس کی پلکیں بند کر دیں اور متاسفانہ لہجے میں بولا"یہ بھی چلی گئی میرے یار۔"

دیکھنے کے باوجود شیر دست کو دیر تک یقین نہیں آیا۔وہ اس کا سر اپنے زانو پر رکھے اسے غور سے دیکھتا رہا

"اٹھ جا یارا، ابھی ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔" گل باز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

شیر دست نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسے کون سے کام

ہیں، جو انہیں کرنے ہیں۔ اس کی سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ پھر بھی اس نے بڑی نرمی سے تہمینہ کا سر نیچے ٹکایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

گل باز نے اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ روتا، مستحکم لہجے میں کہا ''شیر دست، یارا...... خیال رکھنا۔ آنسو نہیں گرنا چاہیے۔ آنسوؤں کو سنبھال کر رکھنا۔ جب تک ہم سارے کام نہ کرلیں، ہر ذمے داری پوری نہ کرلیں، ہمیں آنسو گرانے کا حق نہیں۔''

شیر دست کے سینے میں پگھلا ہوا دل پتھر بن گیا۔ وہ جیسے گل باز کی آواز نہیں، بابا کا حکم تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ گل باز اتنا بڑا، اتنا سمجھ دار کیسے ہوگیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' گل باز نے کہا۔

دونوں باہر آگئے۔ گل باز اسے چنار کے ایک جھنڈ میں لے گیا ''یہاں بیٹھو ذرا دیر۔ لیکن رونا نہیں۔'' اس نے کہا۔

دونوں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے ''یہ سب کیا ہے یارا...... کیسے ہوگیا......؟'' شیر دست بڑبڑایا۔

''یہ معلوم کرنا ہماری ذمے داری ہے۔ ہمیں معلوم کرنا ہے کہ ہمارے دشمن کون لوگ ہیں۔ پھر ہمیں ان سے بدلہ لینا ہے۔'' گل باز کے لہجے میں پھنکار تھی۔

اس لمحے شیر دست کو اپنا وجود بہت چھوٹا محسوس ہوا۔ اس نے حیرت سے سوچا...... میں؟ میں بدلہ لے سکتا ہوں؟ کیا میں ایسا ہوں؟ اور دشمنوں کا پتا لگانا ہے۔ پتا چل جائے تو بدلہ بھی لینا ہے اور یہ بھی کہ دشمن جو ہیں، وہ بہت طاقت ور ہوں گے۔ کیا میں ان سے بدلہ لے سکوں گا؟''

''مگر یہ بعد کی بات ہے۔'' گل باز نے اسے چونکا دیا ''پہلے تو ہمیں قبروں کا بندوبست کرنا ہے۔''

شیر دست اپنی نظروں میں اور چھوٹا ہوگیا۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ قبروں کا تو اسے خیال بھی نہیں آیا تھا۔

''ہم وہاں پیچھے کی زمین میں قبریں تیار کریں گے۔ کیا خیال ہے؟''

''ٹھیک ہے گل باز۔''

''ابھی کام شروع کردیں تو شام تک نمٹ جائیں گے۔ ایسے کاموں میں زیادہ دیر

نہیں لگاتے۔'' گل باز نے مربیانہ انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے گل باز۔''

''تو پھر اُٹھ جاؤ۔'' گل باز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''گھر سے کدال اور بیلچہ نکال لاؤ۔''

وہ قبریں کھودنے میں مصروف ہوگئے۔ زمین سخت نہیں تھی۔ اس لیے کوئی دشواری نہیں ہورہی تھی۔ انہوں نے ترتیب سے قبریں بنائیں۔ تین ایک طرف اور تین ان کے مقابل۔ وہ قبروں کو گہرا کر رہے تھے کہ گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیں۔ گھڑ سوار کچھ فاصلے پر تھا کہ انہوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ سمندر خان تھا...... ان کے خانہ بدوش قبیلے کا موجودہ سردار۔ وہ قبیلہ جسے وہ چھوڑ چکے تھے۔

سمندر خان نے گھوڑے کو ایک قریبی درخت سے باندھ دیا۔ پھر وہ ان کی طرف چلا آیا ''کیا ہوا لڑکو؟''

''گل باز نے اسے تفصیل سنائی۔ سمندر خان سنتا اور سر ہلاتا رہا ''بہت بری خبر ہے۔ ارسلان اور شہباز میرے پرانے دوست اور دُکھ سکھ کے ساتھی تھے۔''

سمندر خان بھی ان کے ساتھ لگ گیا۔ کام جلدی سے نمٹ گیا۔ شام ہوتے ہوتے وہ تدفین سے فارغ ہوچکے تھے۔ سمندر خان ان کے ساتھ ہی گھر چلا آیا۔ گل باز نے چارپائیاں باہر نکال لیں۔ فضا میں خوش گوار سی ٹھنڈک تھی۔

''چاچا...... قبیلے والے کہاں ہیں؟'' گل باز نے سمندر خان سے پوچھا۔

''وہ تو نیچے جاچکے ہیں۔ میں نے سوچا، جاتے ہوئے ارسلان اور شہباز سے مل لوں۔ اسی لیے چلا آیا تھا۔'' سمندر خان نے بتایا۔ پھر پوچھا ''یہ سب ہوا کیسے؟''

گل باز نے اسے پوری روداد سنائی۔ اسی دوران ان کے گھوڑے بھی آگئے۔ ان کے شکار کئے ہوئے بکرے بدستور لٹکے ہوئے تھے۔ سمندر خان نے انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھا ''اوہ...... یہ شکار کیا تھا تم نے؟''

شیر دست اور گل باز نے سر ہلا دیے۔

''بہت خوب۔ ارسلان اور شہباز یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ اچھا، تم لوگوں نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا؟''

ان دونوں کو اچانک ہی احساس ہوا کہ وہ بہت بھوکے ہیں۔ انہوں نے اقرار میں

سر ہلائے۔

''تم لوگ تو تھک گئے ہو گے۔ میں ہی کچھ کرتا ہوں۔ ورنہ تمہارا شکار بھی ضائع ہو جائے گا۔''

دونوں لڑکے کچھ نہیں بولے۔ سمندر خان نے گھوڑوں کو باندھا۔ بکروں کو اُتارا اور پھر ان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ ایک گھنٹے بعد وہ آگ جلا کر بکروں کو بھوننے کے لیے لٹکا چکا تھا، پھر وہ ان کے پاس آبیٹھا۔ ''اب تم لوگ کیا کرو گے؟'' اس نے ان سے پوچھا۔

''ایک فرض پورا کرلیا ہے۔ دوسرا پورا کرلیں پھر کچھ سوچیں گے۔'' گل باز نے کہا۔

''کون سا فرض؟''

''ابھی ہمیں بدلہ لینا ہے۔''

''لیکن تمہیں تو معلوم بھی نہیں کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔''

''دیکھیں گے۔'' گل باز نے بے پروائی سے کہا ''معلوم ہو ہی جائے گا۔''

سمندر خان کچھ دیر سوچتا رہا ''میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔''

گل باز اور شیر دست اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہے۔ بولے کچھ نہیں۔

''تمہارے دشمنوں نے تیر استعمال کیے ہیں۔'' سمندر خان نے کہا ''حالاں کہ بندوق کے اس زمانے میں تیر کمان کو سب چھوڑ چکے ہیں۔ بس ایک ٹونگا قبیلے کے لوگ ہیں جو اب بھی تیر کمان استعمال کرتے ہیں۔''

گل باز کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ''میں نے کبھی اس قبیلے کا نام نہیں سنا۔''

''تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ اس قبیلے کا تو بڑی عمر کے لوگوں کو بھی علم نہیں۔ میں گھومنے پھرنے والا خانہ بدوش ہوں۔ اس لیے جانتا ہوں۔''

''ہمیں ان کے بارے میں اور کچھ بتاؤ چاچا۔'' گل باز نے پوچھا۔ شیر دست اب بھی خاموش تھا۔

''وہ شمال کے پہاڑوں میں رہتے ہیں...... چین کی سرحد کے قریب۔ ان کی زبان چینی نہیں تو چینی سے ملتی جلتی ہے۔''

''مگر وہ اتنی دور، یہاں کیسے آگئے۔'' اس بار شیر دست بولا۔

''جب وہ بد حالی اور قحط کا شکار ہوتے ہیں تو مویشیوں کے چکر میں مارے مارے

پھرتے ہیں۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔ وہ ہمارے سب مویشی لے گئے ہیں۔'' شیر دست نے کہا۔

''یہ انہی لوگوں کا کام ہے۔'' سمندر خان نے کہا ''اور میرا مشورہ مانو تو بدلہ لینے کا خیال دل سے نکال دو۔ اتنی دور سے اس دشوار گزار علاقے میں جانا اور پورے قبیلے سے لڑنا آسان نہیں۔ اکیلے پن سے جی گھبرائے تو دوبارہ قبیلے میں شامل ہو جاؤ۔ شادی کرو اور اپنی نسل بڑھاؤ۔''

شیر دست اس مشورے کی قبولیت کا اعلان کرنے والا تھا کہ گل باز بول پڑا۔ ''نہیں چاچا۔ بدلہ لیے بغیر ہمیں چین نہیں آئے گا۔ ہم اپنے ماں باپ اور بہن کے قاتلوں کو معاف نہیں کرسکتے۔ انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔''

''تمہارے باپ موجود ہوتے تو وہ تمہیں یہی مشورہ دیتے جو میں نے دیا ہے۔''

''میں انہیں بھی یہی جواب دیتا چاچا۔'' گل باز نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔ چلو کھانا کھالو۔''

ان لوگوں نے کھانا کھایا۔ سمندر خان نے گوشت کا بڑا حصہ اُبال کر ان کے لیے محفوظ کردیا کہ ان کے کام آئے گا۔ کھانے کے بعد وہ اندر چلے گئے۔ چارپائی پر لیٹ کر سمندر خان انہیں ٹونگا قبائل اور ان کے علاقے کے بارے میں بتاتا رہا۔ پھر وہ سو گیا۔ اسے صبح چلے جانا تھا۔

شیر دست اور گل باز کو دیر تک نیند نہیں آئی۔ شیر دست کی آنکھوں میں ماں باپ اور بہن کے خون آلودہ چہرے گھومتے رہے۔ وہ انتقام کے بارے میں سوچتا رہا۔ انتقام اس پر فرض تھا لیکن وہ محسوس کرتا تھا کہ اس میں اس کی اہلیت نہیں۔ کاش، خوش قسمتی اس کے دشمنوں کو اس کے سامنے لے آئے۔ تاکہ انتقام آسان ہو جائے۔ اس کے بعد وہ چین سے زندگی گزار سکتا تھا۔

یہ ایک خیال تھا، ایک حقیقت تھی جس سے شیر دست نظریں چرا رہا تھا۔ گل باز نہ ہوتا تو وہ انتقام سے دست بردار ہو جاتا لیکن گل باز نے اسے احساس دلایا تھا کہ انتقام کے بغیر جینا بھی شرم ناک ہو گا۔

یہی سب کچھ سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔

صبح سمندر خان رخصت ہو گیا۔ وہ دونوں سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔ گل باز نے

شک گوشت کے دو حصے کئے اور ایک حصہ شیر دست کو دے دیا''ہم لوگ الگ الگ سفر کریں گے یارا۔''اس نے کہا۔

''کیوں گل باز؟''

''تاکہ ایک کو کچھ ہو جائے تو دوسرا انتقام لینے کے لیے زندہ رہے۔تم سیدھے استے پر جاؤ۔میں گھوم کر شمال کی سمت آؤں گا۔''

شیر دست نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔اُلٹا وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔

اچانک ہی شروع ہو جانے والی بارش نے شیر دست کو چونکا دیا۔وہ اٹھا اور کمرے ں چلا آیا۔

اس دن کے بعد اب تک گل باز سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، اور موسموں کی ولی بسری یاد اسے گھر واپس لے آئی تھی اور اسے پتا چلا کہ گل باز گھر واپس آیا تھا۔مگر چلا بھی یا تھا۔اگر وہ کہیں قریب ہی ہوتا تو اب تک واپس آ گیا ہوتا اور یہ بھی طے تھا کہ گل باز کچھ یں کر سکا۔ورنہ وہ یہیں رُک گیا ہوتا۔

گویا انتقام کا بوجھ ابھی موجود تھا۔وہ چاہے نہ چاہے، اسے یہ بوجھ اٹھانا تھا۔اسے ل باز پر غصہ آنے لگا۔انہیں الگ نہیں ہونا چاہیے تھا۔دونوں ساتھ رہتے تو زیادہ بہتر تھا۔ ن اسے اکیلے ہی بھگتنا پڑ رہا تھا۔

اس نے ایک بار پھر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ساتھ لے جانے کے لیے مکئی بھونتا ی۔گوشت کے لیے شکار پر جانا بھی ضروری تھا۔وہاں سے شہد کا بندوبست بھی ہو جاتا۔

اب سفر اس کے سر پر سوار ہو چکا!

✿......✿......✿

تیاری مکمل کرنے کے بعد شیر دست اپنے سفرِ انتقام کا آغاز کر چکا تھا۔

وہ بستیوں سے بچتا، کتراتا شمال کی سمت بڑھتا رہا۔دن بھر وہ سفر کرتا اور جب شام ے سائے مشرقی پہاڑی سلسلے کی چوٹیوں کو چوم کر تیزی سے وادی پر چھانے لگتے تو کسی سب سی جگہ پر پڑاؤ ڈال دیتا۔اپنی منزل کے بارے میں اسے موہوم سا علم تھا۔راستے میں نے ٹونگا قبائل کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی لیکن لگتا تھا، کسی کو ان کے بارے میں کچھ لوم نہیں ہے۔وادی وادی پربت پربت گھومنے والے سمندر خان نے بھی یہی کہا تھا۔

پہاڑوں کی فضا بدل گئی تھی۔اب وہ سرسبز پہاڑوں کے درمیان نہیں تھا۔چاروں طرف سنگلاخ پہاڑ تھے......بے آب و گیاہ پہاڑ۔پہاڑ کی طرف جانے والے ایک راستے کو چھوڑ کر وہ دائیں جانب مڑ گیا۔وہاں حدِ نظر تک ریت ہی ریت تھی۔صحرا کی صورت، صحرا کے سینے پر پھوڑوں کی طرح پھیلے ہوئے ٹیلوں کی صورت اور ہوا کی آغوش میں مچلتے ہوئے بگولوں کی صورت۔جگہ جگہ گکروندوں اور ناگ پھنی کی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔راستے میں اُسے ایک بڑا قطعہ زمین نظر آیا۔چند سلامت قبریں زبانِ حال سے بتاتی تھیں کہ وہ شہرِ خموشاں ہے۔ہوا نے بہت سی قبروں کو ہموار کر دیا تھا اور بگولوں نے بہت سی قبروں کو ٹیلوں میں تبدیل کر دیا تھا۔تند بے رحم موسموں نے قبروں کے نشانات مٹا دیے تھے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔قبریں تو کسی ذی روح اور جان دار کی بے جان علامت ہوتی ہیں۔جو موسم جیتے جاگتے، چٹانوں جیسے انسان کو چاٹ جاتے ہیں، ان کے سامنے مٹی کی بے جان علامتوں کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔

البتہ قبرستان یہ گواہی دے رہا تھا کہ کبھی یہاں آبادی رہی ہو گی۔یہاں زندگی کبھی ہواؤں کی طرح کبھی مدھم سروں میں اور کبھی آندھیوں کی طرح برق رفتاری سے بہتی ہو گی۔اس بستی میں بچے جنم لیتے ہوں گے۔سفاک موسموں کے ساتھ کھیلتے لڑتے ان چٹانوں کی طرح جوان ہوتے ہوں گے، جو موسموں کا سامنا بڑی ثابت قدمی اور سرد مہری سے کرتے ہیں۔لیکن موسموں کے پالے ہوئے لوگوں کو کسی قدرتی آفت نے چاٹ لیا ہو گا۔

وہ قبرستان سے چند میل آگے گیا ہو گا دو گھڑ سواروں نے اس کا راستہ روک لیا۔وہ انگریز تھے اور فوج کی وردی میں تھے۔ان کے قریب پہنچ کر شیر دست نے گھوڑے کی راسیں کھینچ لیں۔

ایک انگریز نے شیر دست سے کچھ کہا۔وہ اپنی مادری زبان بول رہا تھا، جو شیر دست کے لیے اجنبی تھی۔شیر دست اتنا ضرور سمجھ گیا کہ ان کے نام جیک اور ہیری ہیں۔''

وہ دونوں شیر دست کی خاموشی پر جھنجلائے۔اس کے بعد اشاروں کی زبان شروع ہو گئی۔شیر دست کو اندازہ ہوا کہ وہ اس کے کمبلوں کو حریص نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

شیر دست نے انہیں کمبل دینے سے صاف انکار کر دیا۔

فوجیوں نے اشارے کئے۔وہ اسے قریبی چوکی لے جانا چاہتے تھے۔

شیر دست کا اپنا راستہ کھوٹا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اس نے اس سے بھی انکار

کر دیا۔

دونوں فرنگی جارحیت پر آمادہ نظر آنے لگے۔

شیر دست نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکال کر تان لیا۔ اس نے اشاروں سے انہیں کچھ سمجھایا۔ ان کے چہروں پر غصہ اور جھنجھلاہٹ نظر آئی۔ بہر حال اس کے اشاروں کو سمجھ کر انہوں نے کارتوسوں کی پیٹیاں کھول کر زمین پر ڈال دیں۔ ان کے ساتھ بھرے ہوئے ریوالور بھی تھے۔ اس بار شیر دست نے انہیں جنوب کی طرف بھاگنے کا اشارہ کیا۔ وہ دانت پیسنے لگے لیکن تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے دور نکل گئے تو شیر دست نے ان کے گھوڑوں کو بالکل مخالف سمت میں دوڑا دیا۔ سواروں کے بغیر گھوڑے سرپٹ دوڑ گئے۔

شیر دست کو غاصب فرنگیوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اس وقت وہ انہیں ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس صحرا میں اسلحے اور گھوڑوں سے محروم انسانوں کی ہلاکت فطرت نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ وہ اپنی منزل پر پہنچنے سے پہلے کسی کا خون بہانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ شیر دست نے ان کا اسلحہ سمیٹ کر اپنے گھوڑے کے ساتھ لٹکے ہوئے تھیلے میں رکھ لیا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے دونوں فرنگیوں کے بارے میں سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

شام کو اس نے جنگلی جھاڑیوں کے درمیان رک کر اِدھر اُدھر کی سن گن لی لیکن خودرو گھاس سے گزر کر آہیں بھرتی ہوئی ہوا کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔ مطمئن ہو کر اس نے گھوڑے کو ایک قریبی درخت سے باندھا اور رات وہیں بسر کرنے کے ارادے سے ایک صاف جگہ بستر بچھا دیا۔ اس نے الاؤ روشن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہاں جنگلی جانور موجود نہیں تھے۔

❁ ❁ ❁

اگلے روز دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے پرشور لہروں کی آواز سنی۔ مزید کچھ سفر کے بعد وہ ایک دریا تک پہنچ گیا۔ سمندر خان نے کچھ نشانیاں بتائی تھیں، ان میں کچھ دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ دشمنوں کے......ٹونگا قبائل کے علاقے میں پہنچ چکا تھا۔

دریا کے کنارے کی زمین بھربھری اور سرخ رنگ کی تھی۔ سمندر خان کے بیان کے مطابق دریا پار ٹونگا قبائل کا علاقہ تھا۔ شیر دست کو سمندر خان کی سب باتیں یاد آ گئیں۔ اگر یہ

وہی دریا تھا تو......شمال کی جانب اس کا پاٹ بہت کم ہوگا۔ وہاں دونوں کناروں پر سرکنڈے ہوں گے۔ آگے جا کر سبزہ ہوگا اور چھتنار درخت بھی ہوں گے۔ وہاں پہاڑ ایسے سنگ لاخ نہیں ہوں گے۔

شیر دست نروس ہو گیا۔ کیسی عجیب بات تھی۔ اس کی شخصیت میں ماں کی طرف کی تمام کمزوریاں آ گئی تھیں۔ مگر باپ کی طرف کی کوئی مضبوطی نہیں تھی۔ اب اتنا قریب پہنچ کر وہ یقینی طور پر کہہ سکتا تھا کہ وہ انتقام کے تصور سے خائف ہے۔ اب اسے سمندر خان کی بات یاد آئی۔ اسے پورے قبیلے سے لڑنا تھا اور یہ بھی تھا کہ وہ پورے قبیلے کو ختم نہیں کر سکتا تھا اور انجام میں اسے مر جانا تھا۔ جب کہ اسے زندگی سے محبت تھی۔ وہ زندہ رہنا اور بہت کچھ کرنا چاہتا تھا۔

اس لمحے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ قبیلے پر براہ راست جنگ نہیں کرے گا۔ وہ اس علاقے میں رہ کر موقع کا انتظار کرے گا۔ ممکن ہے، قسمت اس کا ساتھ دے اور ایک ایک دو دو کی شکل میں ٹونگا قبائلیوں کے ساتھ اپنا حساب بے باق کر لے۔

یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ فی الحال تو اسے اس علاقے میں داخل ہونا تھا۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ شمال کی سمت چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سمندر خان کی بات سچی ثابت ہو گئی۔ دریا کا پاٹ بہت ہی کم ہو گیا تھا۔

اس نے گھوڑے کو پانی میں ڈال دیا۔ پانی گھوڑے کے پیٹ تک آ گیا تھا لیکن دریا پار کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ دریا پار کر کے بھی وہ شمال ہی کی طرف چلتا رہا۔ شام ہوتے ہوتے وہ ایک ندی تک پہنچ گیا۔ سمندر خان کے کہنے کے مطابق وہاں ٹونگا قبائل کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ اس نے وہیں پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ گھاس پر اس نے اپنے کمبل بچھائے، گھوڑے کی پشت سے سامان اُتارا اور گھوڑے کو گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ خشک گوشت کے ٹکڑے نکال کر اس نے خود بھی کھانا کھایا اور ندی سے پانی پی کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

وہ نیم وا آنکھوں سے گرد و پیش کو تکتا رہا۔ پانی میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اونگھتے ہوئے بگلوں میں اسے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ اچانک ناقابل بیان پھرتی سے اپنی لمبی چونچ پانی میں ڈال کر کوئی مچھلی نگل جاتے اور پھر ایسی معصومیت سے اونگھنے لگتے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

سورج ڈھلنے کے وقت پرندوں کے غول اپنے آشیانوں کی طرف پرواز کرنے

لگے۔ان کے چہچہوں سے ساری فضا گونج رہی تھے۔ بگلے بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

رات ہوتے ہوتے سناٹا تمام آوازوں پر غالب آ گیا لیکن اسی لمحے جھینگروں کی آوازیں اور مینڈکوں کی ٹرٹراہٹوں نے سناٹے کی چادر کو تار تار کردیا۔شیر دست کو مچھروں سے بچنے کے لیے اپنے جسم کو چادر میں لپیٹ لینا پڑا۔

✿ ✿ ✿

رزق کی جستجو میں نکلنے والے پرندوں کی حمد وثنا سے بھر پور چہکاروں نے اسے بیدار کردیا۔ندی میں غسل کر کے تر وتازہ ہونے کے بعد اس نے سفر کا آغاز کردیا۔وہ سمندر خان کی ہدایت پر پوری طرح عمل کر رہا تھا۔اس کی بتائی ہوئی تمام نشانیاں اسے یاد تھیں۔سرسبز علاقہ شروع ہو چکا تھا۔خوشبو سے بوجھل ہوا چل رہی تھی۔موسم خوش گوار تھا۔

وہ سمندر خان کی ہدایت کے مطابق ندی کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ندی بار بار گھنے درختوں میں جا چھپتی تھی۔مگر اس نے ندی کا پیچھا نہیں چھوڑا۔پھر راستے تنگ ہونے لگے۔ہوا میں خنکی بڑھ گئی۔ایسا لگتا تھا کہ اس کے تعاقب میں چلنے والا سفاک موسم تھک کر اس سے ہار گیا۔یا پھر سست ہو کر کہیں پیچھے بیٹھ گیا ہے۔اب دھوپ میں ایسی نرم سی تمازت تھی، جو جسم میں گدگدی کرتی اور بے نام سے احساسات جگاتی محسوس ہوتی تھی۔درختوں کے سائے خنکی کے لہجے میں پکارتے، اشارے کرتے، بلاتے کہ آگے مت جاؤ۔دو گھڑی یہاں ٹھہر جاؤ۔ہم اپنے سایوں سے تھپک تھپک کر تمہیں سلا دیں۔لیکن وہ ہر بلاوے سے بے نیاز آگے بڑھ رہا۔

دائیں سمت سرسبز پہاڑوں کا ایک سلسلہ تھا۔سمندر خان کے کہنے کے مطابق ٹونگا قبائل کا مرکز اب کافی قریب تھا۔اس نے گھوڑے کی رفتار کم کردی اور بے حد محتاط ہو گیا۔پھر چلتے چلتے اس نے اپنے گھوڑے کی راسیں کھینچ لیں اور ہمہ تن سماعت ہو گیا۔

اس کی حساس سماعت سے کسی کتے کی بھونکنے کی آواز ٹکرائی۔وہ آواز سے سمت کا تعین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

✿ ✿ ✿

وہ رات کی تاریکی میں خاموشی سے بستی سے نکل آئے تھے۔پوری رات وہ سفر کرتے رہے تھے۔بستی والوں کو صبح سے پہلے ان کی روانگی کا علم نہیں ہو سکتا تھا......اور اس وقت تک وہ کافی آگے نکل جاتے۔فاصلے بڑھانے کی خاطر وہ صبح ناشتے کے لیے بھی نہیں

رُکے تھے۔البتہ دوپہر کو وہ تین گھنٹے کے لیے ضرور رُکے تھے۔انہوں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد آرام کیا۔اُنہیں یقین تھا کہ اب بستی والے ان تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

شیر دل نے گل کے سامنے ضرغام سے کوئی بات نہیں کی تھی باپ کے حکم پر وہ اس کے ساتھ بستی چھوڑ آیا تھا لیکن اسے باپ سے اختلاف ضرور تھا۔گل کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی تو اُسے باپ سے بات چیت کا موقع مل گیا۔

''بابا...... میں سمجھتا ہوں، آپ نے بستی چھوڑنے کا فیصلہ کر کے جلد بازی کی۔'' اس نے ضرغام سے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے، یہ کام گل کی بڑھے ریچھ سے شادی کے بعد کرنا چاہیے تھا۔'' ضرغام کے لہجے میں تلخی تھی۔

''نہیں بابا۔'' شیر دل نے ٹھنڈے لہجے میں کہا ''مگر آپ جانتے ہیں کہ بستی والے عجائب خان سے خوش نہیں ہیں۔''

''یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔''

''بستی والے اب بھی آپ کو سردار مانتے ہیں۔''

''میں یہ بھی جانتا ہوں۔''

''پھر بھی آپ بستی چھوڑ آئے!'' اس بار شیر دل کا لہجہ تلخ تھا۔

''ہاں۔اسی میں عافیت تھی۔مجھے خوشی ہے کہ میں نے درست فیصلہ کیا۔''

''میں سمجھا نہیں!''

''عجائب خان نے سرداری زبردستی ہتھیائی ہے۔''

''آپ نے اس موقع پر بھی......''

''اب تم مجھے بزدلی کا طعنہ دو گے۔'' ضرغام نے بیٹے کی بات کاٹ دی۔

''یہ جرات تو میں نہیں کر سکتا۔مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ بستی کے چند لفنگوں کے سوا عجائب کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔''

''تم نے یہ بھی سوچا کہ اس کے باوجود اس نے مجھے چیلنج کیا۔کیوں؟''

شیر دل چند لمحے سوچتا رہا۔پھر بولا ''اس نے آپ کی نرم خوئی کو کمزوری سمجھا ہوگا اور اس کی بات درست ثابت ہوئی۔''

''نہیں بیٹے۔'' ضرغام نے بے حد لہجے میں کہا'' اگر میں اور میرے اشارے پر بستی والے مزاحمت کرتے تو بستی میں بہت خون ریزی ہوتی۔''

''آپ کا مطلب ہے،وہ چھ سات لفنگے بستی کو خاک اور خون میں نہلا دیتے۔'' شیر دل کے انداز میں تمسخر تھا۔

''بیٹے،تمہارا باپ جہاں دیدہ ہے اور اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھتا ہے۔'' ضرغام اب بھی تحمل سے کام لے رہا تھا''فرنگیوں سے عجائب خان کے روابط کا کسی کو علم نہیں مگر میں جانتا ہوں۔وہ چھپ چھپ کراس سے ملنے آتے ہیں۔انہی کے اشارے پر عجائب خان نے سرداری کا دعویٰ کیا۔میں ازخود سرداری سے دست بردار نہ ہوتا تو بستی والے کبھی اسے تسلیم نہ کرتے۔پھر خون خرابا ہوتا۔کیوں کہ فرنگی اس کی مدد کے لیے ضرور آتے۔''

شیر دل سوچ میں پڑ گیا۔پھر اس نے کہا''لیکن فرنگیوں کو اس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟''

''وہی جو شطرنج کھیلنے والوں کو اپنے مہروں سے ہوتی ہے۔وہ اس علاقے کے سرکش لوگوں کو مطیع بنانا چاہتے ہیں۔تا کہ علاقے کے وسائل کو لوٹ سکیں۔یہاں کے مالک بن سکیں۔مگر وہ جانتے ہیں کہ چٹانوں کے بیٹوں کو زیر نہیں کر سکتے۔وہ عیار بھی ہیں اور مکار بھی۔ وہ کام اپنے مطلب کے مقامی لوگوں سے لینا چاہتے ہیں۔''

''اوہ......تو یہ بہت بڑی سازش ہے۔''

''ہاں بیٹے۔''

''اور آپ نے سرداری چھوڑ کر پوری بستی کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا؟''

''اس کے سوا کچھ کیا نہیں جاسکتا تھا۔''

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔کیوں کہ گل نے دسترخوان بچھا دیا تھا۔وہ کھانا کھانے لگے۔کھانے کے دوران سردار ضرغام نے وضاحت کی''دیکھو شیر دل،صرف ہماری ہی نہیں، ہمارے اردگرد کی تمام بستیاں خطرے میں ہیں اور اس خطرے کا مقابلہ صرف خان دلاور ہی کر سکتا ہے۔وہ سرداروں کا سردار ہے۔اس نے بکھرے ہوئے قبیلوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ فرنگی اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ہم اب اسی کے پاس جارہے ہیں۔ہمارے علاقے کے لیے اسی کو کچھ کرنا ہوگا۔''وہ کہتے کہتے رُکا''اگر مجھے اس سے پہلے کچھ ہوجائے

تو یاد رکھنا،میں نے گل کے پاس ایک خط رکھوا دیا ہے۔وہ خان دلاور کے نام ہے۔اسے ہر قیمت پر خان دلاور تک پہنچانا ہے۔''

گل کے لقمے والا ہاتھ منہ تک جاتے جاتے رگ گیا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔اس کی نگاہوں میں خوف تھا۔

''یہ بات نہیں کہ مجھے کوئی خطرہ ہے۔''ضرغام نے جلدی سے کہا''مگر زندگی کا تو اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے۔میں نے احتیاطاً یہ بات کہی ہے۔''

کھانا کھانے کے بعد ضرغام نے بیٹی سے کہا''گل!اب قہوہ بھی پلا دے۔''

گل قہوہ بنانے کے لیے اٹھ گئی۔اس کے جانے کے بعد شیر دل نے باپ سے پوچھا''اگر عجائب خان نے گل کا رشتہ نہ مانگا ہوتا،تب بھی آپ بستی چھوڑتے۔''

ضرغام نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر؟ فرنگیوں کو من مانی کرنے دیتے؟''

''نہیں۔میں نے سوچا تھا کہ تمہیں خط دے کر مغرب کی طرف روانہ کروں گا۔مگر عجائب خان کی کمینگی نے ہمیں نکلنے پر مجبور کر دیا۔''

''گل کو یہ بات معلوم ہے؟''

''ہاں......اسی لیے تو وہ سہمی ہوئی ہے۔''

''گل قہوہ لے آئی۔قہوے کا ایک گھونٹ لے کر شیر دل نے کہا''گل،چابو کو کچھ کھلا دے۔وہ بھی بھوکا ہے۔''

''اور پھر کچھ دیر سوچا۔دو گھنٹے بعد آگے چلیں۔''ضرغام بولا۔

گل نے گوشت کے کچھ ٹکڑے کتے کے آگے ڈال دیے۔پھر وہ چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔

دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد اُنہوں نے پھر سفر کا آغاز کیا۔چابو ان کے ساتھ ساتھ تھا۔وہ گھوڑوں کو تیز چلا رہے تھے۔ضرغام کے ذہن میں رات کے پڑاؤ کے لیے ایک خاص مقام تھا۔شام تک وہ وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا۔گل کی حالت دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا تھا کہ رات بھر کے آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

✿ ✿ ✿

کتے کے بھونکنے کی آواز دھیرے دھیرے بلند ہوتی گئی۔پہاڑوں میں آواز دور دور تک

جاتی تھی۔شیر دست کا اندازہ تھا کہ کتا کم از کم ڈیڑھ دو میل دور ہے۔ایک لمحے کے لیے اس نے اس امکان پر غور کیا کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔مگر فوراً ہی اس امکان کو رد کر دیا۔

اس نے تھیلے میں سے دوربین نکالی اور بڑے فخر سے اسے سہلانے لگا۔وہ دوربین بابا نے ایک فرنگی سے خریدی تھی۔اس بار سفر کرتے ہوئے اسے اس کا خیال آیا تھا اور اس نے اسے سامان میں رکھ لیا تھا۔

اب اس نے کسی بلند مقام کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، جہاں کھڑے ہو کر وہ دوربین کی مدد سے آنے والوں کو دیکھ سکے۔کوئی دو فرلانگ آگے اسے گھنے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا، جس کے عقب میں ایک پہاڑی تھی۔اس نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور اپنی دوربین اور بندوق اٹھا کر پہاڑی کی طرف بڑھ گیا۔دو چٹانوں کے درمیان چھپ کر وہ دوربین آنکھوں سے لگا کر بیٹھ گیا۔

کتے کے بھونکنے کی آواز پھر سنائی دی لیکن ابھی تک آواز کی سمت اسے کوئی نقل وحرکت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ویسے یہ بھی تھا کہ سامنے والی پگڈنڈی کا بیشتر حصہ درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں تھا۔وہ بڑے تحمل سے اس پگڈنڈی پر نظر جمائے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسے دو گھڑسواری اسی پہاڑی کی طرف آتے دکھائی دئے، جہاں وہ چھپا ہوا تھا۔ابھی فاصلہ اتنا تھا کہ دوربین کے باوجود ہیولوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ذرا دیر بعد وہ ہیولے قدرے واضح ہو گئے۔

وہ دو نہیں، تین افراد تھے، جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ایک بڑا جسیم اور خوبصورت کتا گھوڑوں کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔کبھی وہ رُک کر بھونکنے لگتا، پھر دوڑتا ہوا گھوڑوں سے آگے نکل جاتا، اور کبھی پیچھے رہ جاتا۔

اچانک ان لوگوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔شاید وہ رات اسی جگہ گزارنا چاہتے تھے۔وہ گھوڑوں سے اُترے اور انہیں درختوں سے باندھ کر پڑاؤ ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔

دوربین کے باوجود شیر دست انہیں واضح طور پر دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا مگر اس نے اتنا ضرور جان لیا تھا کہ ان میں ایک لڑکی ہے۔لڑکی الاؤ کے لیے لکڑیاں جمع کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔جب کہ مرد گھوڑوں پر سے سامان اُتار رہے تھے۔

شیر دست کو یقین تھا کہ وہ لوگ ٹونگا قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔سمندر خان نے بتایا

تھا کہ اس طرح ان کے سوا کوئی اور نہیں رہتا۔اب یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے پورے قبیلے کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے بجائے منصفانہ تعداد میں ہدف میسر آ گئے تھے۔قدرت اس کی مدد کر رہی تھی۔ٹونگا قبیلے نے اس سے اس کے گھر کے تین افراد چھینے تھے اور اب اسے بھی ان کے تین افراد ہی مل رہے تھے۔وہ انتقام لے سکتا تھا اور خود کو خطرے میں ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے سوچا کہ بس اسے ان لوگوں کو سو جانے کا انتظار کرنا ہے۔اس کے بعد یہ بہت آسان تھا کہ وہ جھاڑیوں میں چھپتا چھپاتا ان کے پڑاؤ تک پہنچے اور ان کا خاتمہ کر دے۔مگر پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ایک خطرناک امکان کو نظرانداز کر رہا ہے۔دونوں مرد باری باری پہرا بھی دے سکتے تھے۔اس کے علاوہ وہ کتے کو بھی نظرانداز کر رہا تھا، جو اس کی بو پا کر خطرے کا اعلان کر سکتا تھا۔اس نے فیصلہ کیا کہ ان سے اس وقت نمٹنا زیادہ مناسب ہوگا، جب وہ متحرک ہوں۔اس کے اور ان کے درمیان ایک درہ تھا، جس سے انہیں لازمی گزرنا تھا۔وہ اس کام کے لیے مناسب جگہ تھی۔

وہ نیچے اُترا۔گھوڑے پر سوار ہو کر اسی درے کی طرف چل دیا۔درے کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں رک کر اس نے شب بسری کی تیاری کی۔لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔انتقام کا موقع آ گیا تھا اور انتقام کے بعد اس کے لیے آزادی تھی۔

گل سونے کے لیے لیٹ گئی تھی لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔بابا سو چکے تھے اور فضا میں ان کے خراٹے گونج رہے تھے۔بھائی پہرا دے رہا تھا۔بابا نے اسے کہہ دیا تھا کہ پانچ گھنٹے بعد وہ اسے جگا دے اور خود سو جائے۔پھر صبح تک وہ پہرا دے گا۔

گل ان حالات پر غور کر رہی تھی، جنہوں نے اسے، باپ اور بھائی کو بے گھر کر دیا تھا۔اصل سبب تو وہ خود ہی تھی۔یا یوں سمجھو کہ عجائب خان اصل سبب تھا۔عجائب خان کا خیال آتے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی۔

عجائب خان کی عمر ساٹھ سے کم نہیں تھی۔والدین نے اس کا نام ٹھیک ہی رکھا تھا۔وہ عجیب الخلقت اور بدہیئت تھا۔وہ پیدائشی کبڑا بھی تھا۔خوبصورتی اور بدصورتی تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن عجائب خان کا چہرہ اس کے باطن کا آئینہ تھا۔اس پر اس کے اندر کی تمام

خباثتوں کا عکس نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہر وقت شیطانیت رقص کرتی تھی۔

اور اس عجائب خان کو شادی کے لیے پسند بھی کون آیا...... گل؟ نازک اندام، نازک سوچیں رکھنے والی گل؟ کسی ان دیکھے شہزادے کے خوبصورت خواب دیکھنے والی گل؟ یہ سوچتے ہوئے گل کا جسم لرزنے لگا۔ اگر بابا اس کی بات مان لیتے اور اس سے گل کی شادی کر دیتے تو کیا ہوتا؟ یہ خیال ہی گل کے لیے روح فرسا تھا۔

گل ایسی پیاری، ایسی نازک لڑکی تھی کہ بچپن ہی سے اسے دیکھ کر لوگ کہتے تھے، اس کے جوڑ کا تو بستی میں کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر اس کی سہیلیاں بھی یہی کہنے لگیں۔ وہ تو ویسے ہی خواب دیکھنے والی لڑکی تھی۔ ان باتوں نے اور مہمیز کر دیا۔ مگر خواب دیکھنے، اور خواب نظر آنے میں بڑا فرق ہے۔ ایک خواب ایسا تھا، جو خود کو دُہراتا رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ دیکھتی تھی کہ وہ ایک خوب صورت وادی میں اکیلی ہے۔ ہر طرف پھول ہی پھول ہیں۔ ہوا خوشبوؤں سے بوجھل ہے۔ بہت خوبصورت سماں ہے لیکن وہ اپنی تنہائی سے پریشان ہے۔ پھر وہ ایک سرسبز پہاڑ کی ڈھلوان سے اوپر چڑھتی ہے اور اچانک خود کو ایک جنگل میں پاتی ہے۔ اب وہ خوف زدہ ہے۔ اچانک ایک ریچھ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ چیختی ہوئی پیچھے ہٹتی ہے اور ایک درخت سے لگ جاتی ہے۔ ریچھ آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیتا ہے۔ وہ چیختی ہے۔ مگر جنگل میں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ چند لمحے بعد کسی گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیتی ہیں اور چند لمحے بعد ایک گھڑسوار نمودار ہوتا ہے۔ اس کا مشکی گھوڑا بہت خوبصورت ہے اور وہ کہانیوں کے شہزادے جیسا لباس پہنے ہوئے ہے۔ وہ گھوڑا روک کر ریچھ کو للکارتا ہے اور چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اُتر آتا ہے۔ ریچھ اسے چھوڑ کر گھڑسوار پر حملہ کرتا ہے۔ وہ تنے سے ٹک کر کھڑی ہو جاتی ہے اور لڑائی دیکھتی ہے۔ گھڑسوار کے پاس تلوار بھی ہے۔ مگر اسے تلوار نکلنے کی مہلت نہیں مل رہی ہے۔ وہ نہتا لڑنے پر مجبور ہے اور اس کے باوجود ریچھ پر حاوی آ رہا ہے۔ ریچھ جان چھڑا کر بھاگنے کی فکر میں ہے۔ مگر گھڑسوار اسے موقع نہیں دیتا۔ آخر وہ تھکے ہوئے ریچھ کی گردن پر ضرب لگاتا ہے اور ریچھ ڈھیر ہو جاتا ہے۔ گھڑسوار فاتحانہ انداز میں گل کی طرف بڑھتا ہے......

ہر بار خواب یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ وہ پچھلے سات آٹھ سال سے یہ خواب دیکھ رہی تھی...... اور خواب میں کبھی ذراسی تبدیلی بھی نہیں آئی تھی۔ گھڑسوار اس کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ ایک اور بات یہ تھی کہ وہ کبھی گھڑسوار کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی۔ بس وہ

اتنا جانتی تھی کہ وہ بے حد خوب رو اور وجیہہ جوان ہے۔

اس سفر میں گل خوف زدہ ہونے کے باوجود خوش بھی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ خواب کے ایک حصے کی تعبیر اسے مل گئی ہے اور دوسرے حصے کی تعبیر اسے ملنے والی ہے۔ کبڑے اور بدہیئت عجائب خان کو ریچھ ہی کہا جا سکتا تھا اور وہ اس سے بچ نکلی تھی۔ اب اسے گھڑسوار بھی مل جائے گا......

خوابوں کے شہزادے کا خیال آتے ہی اس کے وجود میں طمانیت تیر گئی۔ شہزادے کے تصور سے کھیلتے کھیلتے وہ نیند کی مہربان آغوش میں اُتر گئی۔

✿ ✿ ✿

صبح ہوتے ہی شیر دست ایک ایسے درخت کے تنے کی اوٹ میں سمٹ کر بیٹھ گیا، جہاں سے وہ درے پر پوری طرح نظر رکھ سکتا تھا۔ ادھر ادھر سے اس نے بہت سی جھاڑیاں توڑ کر درخت کے سامنے ڈھیر کر دی تھی۔ اب وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بندوق درخت کے تنے سے لگا کر وہ آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ انتقام کی خواہش بلکہ فرض پورا ہونے کے خیال سے اس کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ رہی تھی۔

انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ گھوڑوں کی ٹاپیں گونجیں اور اچانک وہ اس کے سامنے آ گئے۔ ایک گھوڑے پر گٹھے ہوئے جسم والے ادھیڑ عمر شخص کے پیچھے ایک نوجوان لڑکی بیٹھی تھی۔ دوسرے گھوڑے پر ایک نوجوان آدمی تھا، جوان آدمی محتاط نگاہوں سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا، جیسے کسی نادیدہ خطرے کی طرف سے پریشان ہو۔

شیر دست ان لوگوں کو غور سے دیکھتا رہا۔ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے مرد اور لڑکی باپ بیٹی بھی ہو سکتے تھے اور سسر بہو بھی۔ بہرحال شیر دست کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے نوجوان کو نشانہ بنائے گا اور پھر ان کی خبر لے گا۔

کتا اس وقت ان لوگوں کے ساتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ پیچھے رہ گیا تھا یا پھر کسی جھاڑی میں دُبکا ہوا تھا۔ بہرحال شیر دست اپنی توجہ صرف اپنے اہداف پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے بندوق سنبھالی اور نوجوان کا نشانہ لیتے ہوئے انگلی ٹریگر پر جما دی۔ اسی لمحے وہ لوگ درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس آ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ شیر دست کی انگلی بدستور ٹریگر پر جمی رہی، اسے معلوم تھا کہ اس بل کھاتے راستے پر جب وہ درختوں کے جھنڈ کی اوٹ سے نکلیں گے تو ان کے اور اس کے درمیان فاصلہ

مزید کم ہو چکا ہوگا۔ وہ مطمئن تھا۔ اسے کتے کی بھی پروا نہیں تھی، جو اس وقت نظروں سے اوجھل تھا۔ کیوں کہ وہ ہوا کے رُخ کی مخالف سمت میں تھا۔ اس لیے کتا اس کی بو نہیں پا سکتا تھا۔

اچانک ایک خیال کے پیش نظر شیر دست نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر دی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انہیں اس وقت نشانہ بنائے گا، جب وہ درے سے گزر کر اس کے سامنے آئیں گے۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ نشانہ خطا ہونے کی صورت میں دشمنوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ پھر یہ کہ فاصلہ اور بھی کم ہو جائے گا اور نشانہ خطا ہونے کا امکان بھی کم ہو جائے گا۔

چنانچہ شیر دست نے اپنا رخ تبدیل کر لیا۔

وہ لوگ جھنڈ کی اوٹ سے نکل آئے تھے۔ چند منٹ بعد وہ بل کھاتے راستے پر دوبارہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ شیر دست نے بھی اپنی پوری توجہ درے کے دہانے پر مرکوز کر دی۔

دھیرے دھیرے دن نکلنا شروع ہو گیا۔ سورج کی کرنوں کے نیزے اس کے جسم کو چھیدنے لگے۔ پتھروں اور جھاڑیوں کے درمیان لیٹ کر انتظار کرنے میں اسے کوفت ہونے لگی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے اپنے اسلحے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رائفل کے علاوہ اس کے پاس تین ریوالور تھے۔ ایک اس کا اپنا تھا اور دو ریوالور اس نے فرنگیوں سے چھینے تھے۔ فرنگیوں نے میگزین کے سلسلے میں اسے مالا مال کر دیا تھا۔

گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دینے لگیں۔ اس بار آوازیں قریب سے آئی تھیں۔

شیر دست نے بندوق کا رُخ درے کے دہانے کی طرف کر دیا۔

پھر وہ درے سے گزر کر سامنے آ گئے۔ مرد باتیں کر رہے تھے لیکن ان کی آواز شیر دست تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ کتا اب بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ شیر دست نے احتیاطاً انہیں آگے آنے کا موقع دیا۔ تاکہ وہ پلٹ کر نہ بھاگ سکیں۔ نوجوان اس وقت بھی اس کے نشانے پر تھا۔

شیر دست نے محسوس کیا کہ براہ راست پڑنے والی دھوپ نے اس کے چہرے کو پسینے سے تر کر دیا ہے۔ اس نے بڑی بے پروائی سے اپنی آستین سے چہرہ صاف کیا اور بے حد احتیاط سے نوجوان کا نشانہ لیا۔

ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھاتے ہوئے اس نے سانس روک لی......

پہلی گولی نے نوجوان کی کھوپڑی کا مہلک بوسہ لیا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ دونوں ہاتھ چلاتا ہوا اچھل کر گھوڑے سے دور جا گرا۔ گرتے ہی وہ بے حس و حرکت

ہو گیا تھا۔ شیر دست نے ادھیڑ عمر شخص کو بھی سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ اس نے اس کے سینے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بے اختیار اپنی بندوق کا دستہ چوم لیا۔ ادھیڑ عمر گھوڑے کی پشت سے اچھلا اور جھاڑیوں میں گر کر تڑپنے لگا۔

اسی لمحے نے شیر دست کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس نے اپنے لوگوں کا انتقام لے لیا تھا۔ مگر اب وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس پر وحشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ وحشیانہ انداز میں قہقہے لگاتا ہوا سامنے آ گیا۔ اتنی دیر میں لڑکی سنبھل چکی تھی۔ اس نے بِدکے ہوئے گھوڑے پر قابو پا کر پہلے تو اسے روکا اور پھر درے کی طرف موڑا۔ شیر دست نے بندوق میں کارتوس ڈالے۔ اور بندوق کو اُٹھایا۔ مگر کچھ سوچ کر جھکا لیا۔ لڑکی نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ شیر دست کو احساس ہوا کہ اگر گھوڑا درے تک پہنچ گیا تو اس کے بس کا نہیں رہے گا۔ وہ فیصلے کا لمحہ تھا۔

شیر دست نے بندوق کی نال سیدھی کی۔ اس بار گولی چلانے میں اسے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔

گولی گھوڑے کے جسم میں گھس گئی۔ اس کو جھٹکا لگا۔ وہ ہنہناتے ہوئے دونوں ٹانگوں پر اچھلا۔ اسی لمحے شیر دست نے بڑی احتیاط سے نشانہ لیتے ہوئے دوسرا فائر کر دیا۔ اس بار گھوڑا لڑھکتا چلا گیا۔ لڑکی بھی قلابازی کھا کر گھوڑے کی پیٹھ سے اچھلی اور دور تک لڑھکتی چلی گئی۔

شیر دست کے ہونٹوں پر ایک بڑی سفاک مسکراہٹ مچلی۔ پھر وہ اس طرف دوڑا۔ اس نے مقتولین میں سے ایک کے گھوڑے کو قابو کیا اور اُچک کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ لڑکی اس وقت سنبھل کر اٹھ رہی تھی۔ اس نے شیر دست کو دیکھ کر دوڑ لگا دی لیکن گھوڑے پر سوار شیر دست چند ہی لمحوں میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اب لڑکی خوف زدہ ہرنی کی طرف ادھر ادھر دوڑ رہی تھی اور قہقہے لگاتا ہوا شیر دست اس کے تعاقب میں تھا۔ لڑکی رُخ بدلتی رہی۔ اب وہ اسی پہاڑی کی طرف بھاگ رہی تھی، جہاں کچھ دیر پہلے شیر دست چھپا ہوا تھا۔

وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا لڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ لڑکی کی رفتار اور بڑھ گئی۔ وہ یوں بھاگ رہی تھی، جیسے اس کے پیچھے موت لگی ہو۔ اچانک شیر دست نے بندوق والا ہاتھ بلند کیا اور اس کی نال سے لڑکی کے کندھے پر ضرب لگائی۔ لڑکی زمین پر گر پڑی۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرف چل رہی تھی۔

گھوڑے کی رفتار کم کر کے شیر دست گری ہوئی لڑکی کے گرد چکر لگانے لگا۔ لڑکی

پیٹ کے بل زمین پر گری ہوئی تھی۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ دہشت نے اس کی بڑی بڑی اور خوب صورت آنکھوں کا حسن لوٹ لیا تھا۔ وہ کہنیوں کے سہارے اٹھنے کی کوشش کرتی لیکن کہنیاں اس کا بوجھ نہ سہار پاتیں اور وہ دوبارہ زمین پر گر جاتی۔ اس کا جسم کسی خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

شیر دست اب بھی اپنے آپ میں نہیں تھا۔ کچھ انتقام کی وحشت تھی اور کچھ یوں تھا کہ زندگی میں پہلی بار اس نے انسانی خون بہایا تھا۔ وہ خون بھی شاید سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ گھوڑے سے نیچے گری ہوئی لڑکی کو سفاکانہ دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پیر کی مدد سے لڑکی کو سیدھا کیا۔ وہ اسے اتنا نزدیک پا کر اور زیادہ لرزنے لگی۔ شیر دست نے اپنے بائیں ہاتھ سے لڑکی کے بال جکڑے اور اسے گھسیٹتا ہوا گھوڑے کی طرف لے چلا۔

لڑکی درد کی شدت سے نڈھال ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر شیر دست نے اس کے بال چھوڑ دیے۔ اس لمحے اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اسے لمبے سیاہ بال کتنے پسند ہیں اور لڑکی کے سیاہ ریشمی بال کمر سے نیچے تک آ رہے تھے۔

شیر دست نے بائیں ہاتھ سے اسے کسی بے وزن گڑیا کی طرح اُچھال کر گھوڑے کی پشت پر گویا پٹخ دیا۔ گھوڑے کی لگام تھام کر وہ اسے مردہ گھوڑے تک لایا اور جیب سے چاقو نکال کر مردہ گھوڑے کی لگام کاٹ ڈالی۔ بے ہوش لڑکی کو اس نے گھاس پر پھینک دیا۔ لگام کے دو بڑے ٹکڑے کر کے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر لڑکی کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے ریوالور نکال کر اس کا رخ لڑکی کی طرف کیا۔ پھر کچھ سوچ کر ریوالور کو دوبارہ اپنی پیٹی میں اڑس لیا۔

وہ لڑکی کی طرف سے مطمئن تھا۔ وہ دیر تک اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ لاشوں کی طرف چل دیا۔ جوان آدمی تو فوراً ہی مر گیا ہوگا۔ اس کی کھوپڑی اُڑ گئی تھی۔ شیر دست لاش کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ جوان آدمی کے پاس ایسی چیز تھی، جس کی موجودگی کی وہ توقع نہیں کر رہا تھا...... ریوالور!

وہ اُلجھن میں پڑ گیا۔ سمندر خان نے کہا تھا کہ ٹونگا قبیلے کے سوا اس علاقے میں کسی کا گزر نہیں۔ گویا یہ لوگ ٹونگا قبائلی ہی ہو سکتے تھے۔ لیکن سمندر خان نے یہ بھی بتایا کہ ٹونگا قبائلی جدید آتشیں اسلحہ استعمال نہیں کرتے۔ تیر کمان اور نیزے ان کے خاص ہتھیار ہیں۔ پھر یہ ریوالور!

اس نے سوچا، ممکن ہے یہ قبیلے کے سردار ہوں۔ اور کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

اس نے ریوالور اور میگزین قبضے میں کیا اور ادھیڑ عمر آدمی کی لاش کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھیں یوں پھٹی ہوئی تھیں، جیسے مرتے وقت شدید حیرت سے دوچار ہوا ہو۔ اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر خاصا بڑا سوراخ تھا۔ شیر دست کو اس کے پاس سے بھی ایک ریوالور ملا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہی صورتِ حال رہی تو کچھ ہی دنوں میں اس کے پاس چلتا پھرتا اسلحہ خانہ ہوگا۔

یہ بات اس کے لیے خوشی کا باعث تھی کہ اس نے ٹونگا قبیلے کے سب سے بااثر افراد کو نشانہ بنایا ہے۔ وہ مسکراتا ہوا لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

لڑکی ہوش میں آ چکی تھی۔ شیر دست کو آتے دیکھ کر اس بار اس نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ سر جھکا لیا۔ شیر دست نے قریب پہنچ کر اس کا بازو تھام کر اسے زور زور سے جھٹکے دیے۔ لڑکی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کے الاؤ دہک رہے تھے۔ شیر دست ان آنکھوں کو دیکھ کر کھو سا گیا۔ اسے خیال آیا کہ شاید تہمینہ کی آنکھوں میں بھی اسی طرح نفرت کے الاؤ دہکے ہوں گے اور ظالموں نے اس آگ کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی ہوگی۔ تشدد نے اس آگ کو لحہ بہ لحہ بجھایا ہوگا۔ الاؤ یک دم تو سرد نہیں ہوتے۔ ان کی آغوش میں چھپی ہوئی چنگاریاں بہت دیر تک دھیرے دھیرے سسکتی رہتی ہیں۔ لیکن بالآخر انہیں سرد ہونا ہی پڑتا ہے...... پھر شیر دست کو اپنی بہن کی آخری دید اور اس کی بجھی بجھی آنکھیں یاد آئیں۔ مرنے سے چند گھنٹے پہلے تک وہ آنکھیں دُکھ اور اذیت سے ناآشنا تھیں...... معصوم تھیں مگر انجام کیا ہوا تھا۔ وہ بجھ گئی تھیں۔

شیر دست نے لڑکی کی نفرت سے دہکتی آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا۔ یہ الاؤ بھی سرد ہو جائیں گے۔ اس نے نفرت سے سوچا۔ لیکن میں انہیں ایک دم سے نہیں بجھنے دوں گا۔ ایک ایک چنگاری کو آہستہ آہستہ بجھاؤں گا۔

لڑکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت سے تھوک دیا۔ شیر دست کو لڑکی سے اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ کوئی کمزور بھی ہو اور بے بس بھی، تو اس کے سوا کیا کر سکتا ہے۔

اس نے لڑکی کا بازو چھوڑا اور اس کے منہ پر لگاتار کئی طمانچے رسید کر دیے۔ وہ سسک پڑی۔ اس کے دونوں رخسار سوج گئے تھے۔ شیر دست اسے دیکھ کر بڑی سفاکی سے مسکرایا۔ پھر اس نے لڑکی کو دوبارہ گھوڑے کی پشت پر پٹخ دیا۔ لڑکی میں اب مزاحمت کی سکت

بھی نہیں رہی تھی۔گھوڑے کی لگام تھام کر وہ ان درختوں کی طرف بڑھ گیا، جہاں اس نے اپنے گھوڑے کو باندھا تھا۔

لڑکی موت کی طرح ساکت تھی!

گھوڑا اب درختوں کے درمیان نشیبی زمین پر چل رہا تھا۔اچانک ایک جگہ گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ دائیں پہلو کے بل گر پڑا۔لڑکی اس سے پہلے ہی زمین پر گر چکی تھی۔ پھر لڑکی کو جیسے ہوش آ گیا۔وہ تڑپ کر تیزی سے اٹھی اور اس نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔

گھوڑے کو اٹھاتے ہوئے شیر دست نے اپنی بندوق سنبھالی۔مگر اگلے ہی لمحے اس نے گولی نہ چلانے کا فیصلہ کیا۔پھر وہ لڑکی کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔لڑکی کی رفتار بہت تیز تھی......کافی دور جا کر اس نے درختوں کے درمیان چکر کاٹا اور گھوڑے کی طرف بڑھ گئی۔یہ حرکت شیر دست کے لیے غیر متوقع تھی۔وہ پلٹ کر گھوڑے کی طرف بھاگا جو اب گردن جھٹک رہا تھا۔ان دونوں کو دو مختلف سمتوں سے آتے دیکھ کر وہ بھڑک اٹھا لیکن اتنی دیر میں لڑکی بڑی مہارت سے اُچھل کر اس کی پشت پر بیٹھ چکی تھی۔

شیر دست ایک لمحے کو حیران رہ گیا۔ابھی ذرا دیر پہلے وہ لڑکی موت کی طرح ساکت تھی......مگر اب اچانک چھلاوا بن گئی تھی۔اس بار اسے سنبھلنے میں ذرا دیر لگی۔

گھوڑا لڑکی کو اپنی پشت پر محسوس کر کے مزید بھڑک گیا۔شیر دست کو اچھل کر ایک طرف ہٹنا پڑا۔ورنہ وہ اس کی زد میں آ گیا ہوتا۔اس نے سنبھل کر اپنی بندوق سیدھی کی اور گولی چلا دی۔گھوڑا اچھل کر ایک طرف جا گرا۔لڑکی تقریباً اڑتی ہوئی قریبی جھاڑیوں میں جا پھنسی۔اس جھٹکے نے ایک بار پھر اسے ہوش وحواس سے محروم کر دیا تھا۔

شیر دست گھوڑے کی طرف بڑھا۔وہ قہقہے لگا رہا تھا۔اس کی وحشت کو لڑکی کی جرات آمیز حماقت نے اور بھڑکا دیا تھا۔

گھوڑا اٹھ کھڑا ہوا۔اسے گولی نہیں لگی تھی۔وہ فائر کی آواز سے حواس باختہ ہوا تھا۔

شیر دست کے چمکارنے سے اس کی وحشت قدرے کم ہو گئی۔گھوڑے کی طرف سے مطمئن ہو کر شیر دست لڑکی کی طرف بڑھا، جس کی آنکھیں بند تھیں۔وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔اس کے قریب بیٹھ کر وہ اسے گھورنے لگا۔

شاید اس کی نگاہوں کی حرارت لڑکی کو ہوش میں لانے کا سبب بنی تھی۔اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کی۔لیکن شیر دست نے اسے دوبارہ زمین

سے لگا دیا۔اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے لمبے لمبے بالوں سے اس کے ہاتھوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ابتدا میں وہ مزاحمت کرتی رہی۔ پھر دھیرے دھیرے اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔

لڑکی ایک بار پھر گھوڑے کی پشت پر لدی ہوئی تھی۔بالوں کے کھنچاؤ کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔شیر دست نے ایک ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی اور دوسرے ہاتھ سے لڑکی کے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔

درختوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی دوپہر کی کڑی دھوپ پسینے کے ساتھ مل کر جسم کو گدگدا رہی تھی۔شیر دست کو تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔اب وہ پڑاؤ کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا۔کچھ آگے جا کر اسے سنگ لاخ پہاڑیوں کے درمیان ایک ایسا قطعہ نظر آ گیا،جس کو ایک چٹانی چھجے نے سایہ فراہم کیا ہوا تھا۔نزدیک ہی ایک پہاڑی چشمہ گنگنا رہا تھا۔وہ مناسب ترین جگہ تھی وہاں وہ الاؤ بھی روشن کر سکتا تھا۔

اس نے لڑکی کو گھوڑے کی پیٹھ سے اتارا،اس کے ہاتھ کھولے اور گھسیٹتا ہوا چھجے کے نیچے لے گیا۔وہاں اس نے لڑکی کے دونوں پاؤں باندھے۔پھر رسی کا ایک پھندا لڑکی کی گردن میں ڈال کر رسی کے دوسرے سرے کو درخت کے تنے سے لپیٹ کر گرہ لگا دی۔اب لڑکی فرار نہیں ہو سکتی تھی۔اس کے بعد اس نے گھوڑے کی پشت سے سامان اُتار کر ایک طرف ڈھیر کیا اور دونوں گھوڑوں کو چرنے کے لیے کھول دیا۔

چھجے کے پاس سے ہٹ کر اس نے چشمے کی طرف جانے والے راستے کا جائزہ لیا۔جانوروں کے قدموں کے نشان دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔وہ اسی راستے پر آگے بڑھا۔آگے ایک تیز رو پہاڑی نالا بہہ رہا تھا۔وہ سمجھ گیا کہ جانور وہاں پانی پینے کے لیے آتے ہوں گے۔

وہ واپس آیا۔لڑکی اسی طرح بے سدھ پڑی تھی۔

شیر دست کو اچانک شدید بھوک کا احساس ہوا۔اس کے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ اس کا خوراک والا تھیلا بہت ہلکا ہو چکا ہے۔خشک گوشت تو بالکل ختم ہو چکا تھا۔دوسری چیزیں بھی کم ہی رہ گئی تھیں۔

وہ رسیوں اور کانٹوں کی مدد سے جال تیار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔اس جال کی مدد سے وہ چھوٹے جانور باآسانی پکڑ سکتا تھا۔جال بنانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ھی کہ وہ یہاں گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔پہاڑیوں میں فائر کی

آواز گونج کی صورت میں بہت دور تک جاتی ہے اور ٹونگا قبائل کے علاقے میں بلاضرورت یہ خطرہ مول لینا مناسب نہیں تھا۔

جال کی تیاری میں ایک گھنٹا صرف ہوا لیکن جال کی مضبوطی دیکھ کر اس کا دل خوش ہوگیا۔اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔لیکن سانسیں چل رہی تھیں۔وہ اس کی طرف سے بھی مطمئن تھا۔

پھر شام ہوگئی۔وہ جانتا تھا کہ جھٹپٹے کے وقت جانور پانی پینے کے لیے ضرور آئیں گے۔جال بنانے کے بعد وہ ادھر ادھر سے لکڑیاں جمع کرنے میں مصروف ہوگیا۔لکڑیاں لالا کر وہ لڑکی کے قریب ہی ڈھیر کرتا رہا۔لڑکی نے آنکھیں کھول لی تھیں۔لیکن شیر دست نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے منہ پھیرلیا۔

شیر دست نے اپنا جال سنبھالا اور چشمے کی طرف چل دیا،لڑکی کی طرف سے وہ مطمئن تھا کہ وہ بھاگ نہیں سکتی۔اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور گردن میں پھندا بھی پڑا ہوا تھا۔لڑکی کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ اس راستے کی طرف بڑھ گیا جو جانوروں کی گزرگاہ تھی۔آگے نالے کے پاس اسے ایک گرے ہوئے درخت کا تنا نظر آیا، جو راستے میں پھیلا ہوا تھا۔تنے کو ایک طرف کھسکا کر اس نے تنے اور راستے کے درمیان جال بچھایا اور دور پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔وہ مطمئن تھا۔جھاڑیاں راستے سے اتنی دور تھیں کہ جانور اس کی موجودگی سے باخبر نہیں ہوسکتے تھے۔

دھیرے دھیرے اندھیرا پھیلنے لگا۔نیم روشن چاند کی پھیکی پھیکی چاندنی تاریکی کا سینہ چیرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔اسے یقین تھا کہ جہاں اس نے پڑاؤ ڈالا ہے، وہ جگہ انسانوں کی گزرگاہ ہرگز نہیں ہے۔وہ جگہ منہ سے بول رہی تھی۔انسانوں کی گزرگاہ کا اپنا ایک تشخص ہوتا ہے اور شیر دست اس تشخص کو سمجھنے کا ماہر تھا۔

اسے جھاڑیوں میں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کسی جانور کی اچھل کود نے اسے چونکا دیا۔شاید اس کے جال میں شکار پھنس گیا تھا۔اس نے جھاڑیوں کے درمیان سے جھانک کر دیکھا۔ایک چھوٹی سی پہاڑی بکری جال میں پھنس کر اپنی آزادی کے لیے جدو جہد کر رہی تھی۔دوسرے جانور شاید اس کے حال پر عبرت پکڑتے ہوئے فرار ہوگئے تھے۔

شیر دست باہر نکلا۔اس نے بکری کو جال سے نکالا اور اسے کندھے پر لٹکا کر اپنے پڑاؤ تک لے آیا۔لڑکی نے آہٹ پا کر آنکھیں کھول دیں اور سہمی ہوئی نظروں سے ہاتھ پاؤں

مارتی بکری کو دیکھنے لگی۔شیر دست نے بکری کو زمین پر پٹخ کر اپنے گھٹنے سے دبالیا اور جیب سے چاقو نکال کر بکری کو ذبح کرڈالا۔اس نے بکری کی کھال بڑی مہارت سے اتاری، گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کیے اور خنجر سے زمین کھول کر بکری کی آلائش اس میں دفن کردی۔اس دوران لڑکی مسلسل اسے دیکھتی رہی۔مگر جب وہ اس کی طرف دیکھتا تو وہ منہ پھیر لیتی۔

ان کاموں سے فارغ ہوکر وہ گوشت بھوننے لگا۔اسے بھوک لگ رہی تھی۔گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو نے اس کی بھوک اور چمکادی۔وہ بھوک سے بے چین ہوگیا۔گوشت بھننے تک وہ الاؤ کے پاس سے نہیں ہٹا۔گوشت تیار ہوا تو اس پر ٹوٹ پڑا۔خوب ڈٹ کر کھانے کے بعد اس نے باقی ماندہ گوشت ایک طرف رکھا اور ہڈیاں زمین پر دبادیں۔چھاگل سے پانی پینے کے بعد وہ چھاگل لے کر چشمے کی طرف چل دیا۔اس نے چھاگل میں پانی بھرا اور واپس آگیا۔

الاؤ کے پاس بیٹھ کر وہ چند لمحے لڑکی کو دیکھتا رہا، جو منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔پھر وہ اٹھا اور گوشت کے چند ٹکڑے لے کر لڑکی کے پاس چلا گیا۔گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے پھندا لڑکی کی گردن سے نکال دیا۔ایک ہاتھ سے لڑکی کے بال تھام کر اس نے دوسرے ہاتھ سے گوشت کا ٹکڑا اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔لڑکی نے نفرت سے منہ پھیرلیا۔اس کے ہاتھ پاؤں بدستور بندھے ہوئے تھے۔شیر دست نے دوبارہ اسے کچھ کھلانے کی کوشش کی لیکن لڑکی کا ردعمل وہی تھا۔اس نے سختی سے ہونٹ بھی بھینچ لیے تھے۔

وہ جھلا کر اٹھ کھڑا ہوا اور لڑکی کو ایک ٹھوکر رسید کردی۔وہ بغیر آواز نکالے دوسری طرف لڑھک گئی۔

گوشت کے ٹکڑے احتیاط سے کاغذ میں لپیٹ کر اس نے چھوٹی سی خوب صورت چلم نکالی۔تمباکو اس کے تھیلے میں خاصی مقدار میں موجود تھا۔اس نے چلم میں تمباکو بھرا اور چلم سلگا کر چھوٹے چھوٹے کش لینے لگا۔کچھ دیر بعد وہ اٹھا۔اس نے لڑکی کی گردن میں دوبارہ پھندا ڈالا۔پھر وہ کمبل اٹھالایا۔ایک کمبل اس نے لڑکی پر ڈالا اور دوسرے میں خود کو لپیٹ لیا۔ریوالور اپنے سرہانے رکھ کر وہ آہستہ آہستہ گہری نیند میں ڈوب گیا۔

کافی دیر ہوگئی۔پھر اچانک اپنے قریب ہونے والی نقل وحرکت کے احساس کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔لڑکی دھیرے دھیرے اس کے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔اس نے لڑکی کو متعدد طمانچے مارے۔وہ بے سدھ ہوگئی۔شیر دست دیر تک اس کی تیز چلتی سانس کو تشویش سے دیکھتا رہا۔پھر نینداس پر غالب آگئی۔

دوسری بار پسینہ بہنے سے اس کی آنکھ کھلی۔ سورج نکل چکا تھا۔اس نے جسم پر پڑے کمبل کو ہٹایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن اسے احساس تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔ چھاگل لے کر وہ چشمے کی طرف گیا اور چھاگل میں تازہ پانی بھر کر لایا۔ چھاگل رکھ کر کچھ دیر سوچتا رہا۔پھر بندوق اور ریوالور اٹھا کر چشمے کی طرف چلا گیا، لیکن وہ چشمے پر نہیں ٹھہرا۔ بلکہ پہاڑی نالے کی طرف دیکھا، جس کا صاف شفاف پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح انجانی ڈھلانوں کی طرف رواں تھا۔اس نے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ پانی بے حد ٹھنڈا تھا اور اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔لیکن پھر خوش گواریت کا احساس ٹھنڈک پر غالب آ گیا۔

اس نے اپنی قمیص اُتار کر دھوئی اور ایک بڑے پتھر پر پھیلا دی۔ پھر اس نے اپنا سر نالے کے پانی میں ڈال دیا اور گردن تک لے گیا۔اس نے اس وقت تک سر پانی سے نہیں نکالا، جب تک سردی کی وجہ سے سر کو سن ہونے کا احساس نہیں ہوا۔ سر پانی سے نکالنے کے بعد اسے ہلکے پن کا خوش گوار احساس ہوا۔ وہ خود کو بے حد تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ گیلی قمیص کندھے پر ڈال کر اس نے بندوق اور ریوالور اٹھایا اور پڑاؤ کی طرف واپس چل دیا۔وہاں قمیص اس نے درخت کی ایک شاخ پر لٹکا دی جہاں دھوپ زیادہ تھی۔

الاؤ بجھ چکا تھا۔اس نے بچی ہوئی لکڑیاں اکٹھی کر کے چولہے میں پھر آگ جلائی۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکی جاگ چکی ہے۔مگر اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس چولہے پر رات کا بچا ہوا گوشت گرم کرنے کے بعد اس نے ناشتا کیا اور چھاگل سے پانی پیا۔

ناشتے کے بعد اس نے لڑکی کو پھر کچھ کھلانے کی کوشش کی لیکن اس بار لڑکی نے موقع پا کر اس کی انگلیوں میں دانت گاڑ دیئے۔اس نے تڑپ کر ہاتھ کھینچ لیا۔ گوشت کے ٹکڑے ہاتھ سے گر گئے۔اس پر جنون طاری ہو گیا۔اس نے اندھا دھند لڑکی کی مرمت شروع کر دی۔ ساتھ ہی وہ وحشیانہ انداز میں غرائے جا رہا تھا ”تونگا قبائل کی غلیظ لڑکی، میں اپنی بہن کے ہر زخم، ہر ٹیس، ہر اذیت کا حساب تجھ سے لوں گا۔“

یہ سن کر لڑکی کی آنکھوں میں کچھ عجیب سی کیفیت ہوئی لیکن اپنے جنون کے اسیر شیر دست کو اس وقت کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسے مارتا رہا۔ یہ احساس بھی اسے دیر میں ہوا کہ لڑکی بے ہوش ہو چکی ہے۔

شیر دست چشمے پر چلا گیا۔اس نے اپنی انگلیاں دیر تک سرد پانی میں ڈبوئے رکھیں۔ انگلیاں سن ہو گئیں تو تکلیف کا احساس کافی حد تک کم ہو گیا۔ وہ واپس چلا آیا لڑکی اب بھی بے ہوش تھی۔اس نے چھاگل کا پانی لڑکی کے چہرے پر انڈیل دیا۔ لڑکی کے چہرے پر رستا ہوا خون سرد پانی کی وجہ سے جمنے لگا۔ بندشیں ڈھیلی کر کے وہ لڑکی کو گھسیٹتا ہوا بجھے ہوئے الاؤ تک لے آیا۔ وہ اسے کسی بے جان گڑیا کی طرح گھسیٹ رہا تھا۔ شیر دست کے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے۔ پھر جیسے ہر طرف غبار سا چھا گیا۔اس گرد و غبار کے عقب سے ایک منظر نمودار ہوا۔ وہ اس کے لٹے پٹے گھر کا منظر تھا۔ ایک طرف دو لاشیں پڑی تھیں۔اس کے باپ کو گھوڑے سے باندھ کر گھسیٹا جا رہا تھا۔ کمرے میں اس کی بہن بہیمانہ تشدد کا شکار ہو رہی تھی۔اس کا لباس تار تار ہو رہا تھا۔

اس نے لڑکی کو ایک نظر دیکھا اور سوچا...... میں کیوں ایک قاتل کی بیٹی پر رحم کروں۔ بندوق اور خنجر اٹھا کر وہ جانوروں کی گزرگاہ کی طرف بڑھا لیکن پھندا خالی تھا۔ پہاڑی بکری کا گوشت ختم ہو چکا تھا۔ اب گولی چلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔اس نے خود کو سمجھایا کہ وہ غیر ضروری احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ وہ جنگل میں چلا گیا۔ اسے شکار کی تلاش تھی۔

✿ ✿ ✿

چہرے پر بے پناہ ٹھنڈک کا احساس لڑکی کو ہوش میں لے آیا۔اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ وحشی قاتل اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر اس سے ہلا بھی نہیں گیا۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے جسم کی تمام ہڈیاں ٹوٹ گئیں ہوں۔

”گل نے آنکھیں بند کر لیں!

اس کی عجیب کیفیت تھی۔ دماغ پوری طرح کام نہیں کر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک دم سے...... پل کے پل میں یہ سب کیسے ہو گیا...... کیوں ہو گیا؟...... کبھی وہ سوچتی تو اسے لگتا کہ وہ کوئی بے حد طویل ڈراؤنا خواب دیکھ کر رہی ہے۔ آنکھ کھلے گی تو اسے بابا اور بھائی کے چہرے دکھائی دیں گے، جو پڑاؤ اٹھا کر سفر کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ لیکن اس عالم میں بھی کوئی حس اسے بتاتی تھی کہ یہ خواب نہیں، حقیقت ہے۔ دُکھتا ہوا جسم بھی یہی گواہی دیتا تھا۔

اس کا ذہن ارتکاز کے ساتھ سوچنے کے قابل نہیں تھا۔ مگر سوچوں کا ایک ہجوم تھا، جس نے اسے گھیر رکھا تھا اور وہ سب بے ترتیب تھیں۔ کوئی کہیں کی سوچ تھی اور کوئی کہیں کی۔

اسے پچھلی سے پچھلی رات کی اپنی سوچ یاد آئی۔وہ تو سوچ رہی تھی کہ اس کا خواب تعبیر کے مرحلے میں داخل ہوگیا ہے۔عجائب خان سے نجات کے بعد اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ مل جائے گا۔مگر ہوا یہ کہ شہزادے کی جگہ یہ وحشی گولیاں برساتا ہوا اس کی زندگی میں گھس آیا......

اس کی سوچوں کی رو مڑ گئی۔اس کے تصور میں وہ منظر تازہ ہوگیا۔وہ بابا کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھی تھی۔بھائی کا گھوڑا آگے تھا۔وہ اس سفر سے محظوظ ہو رہی تھی۔وہاں ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔وہ اس وقت بھی اپنے خوابوں کے شہزادے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

درے سے گزر کر وہ بمشکل بیس قدم بڑھے ہوں گے کہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔پہلے فائر نے بھائی کو گرا دیا تھا اور بابا کے کچھ سمجھنے اور سنبھلنے سے پہلے ہی دوسری گولی نے انہیں چاٹ لیا۔اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا، گل اسے یاد نہیں کرنا چاہتی تھی......اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت اس کے وحشت زدہ ذہن نے یہ سوچا تھا کہ ہو نہ ہو، یہ حرکت عجائب خان کی ہے۔اسے کسی طرح ان کی بستی سے فرار ہونے کا پتا چل گیا ہوگا اور وہ اپنے ساتھی لفنگوں کو لے کر یہاں آگیا ہوگا۔

مگر جس وقت قاتل سامنے آیا تو وہ حیران رہ گئی۔وہ تو اجنبی تھا، جس سے شاید کبھی بابا اور بھائی کا واسطہ بھی نہیں پڑا ہوگا۔پھر بھی اس نے سوچا، ممکن ہے یہ کرائے کا آدمی ہو۔عجائب خان اور اس کے آدمی کچھ دیر میں سامنے آجائیں گے۔اس کے لیے یہ خیال بے حد روح فرسا تھا کہ اب وہ کبڑے بدہیئت عجائب خان کے ہتھے چڑھے گی۔اب جب کہ بابا اور بھائی بھی مارے جا چکے ہیں۔اب تو دنیا میں اس کا کوئی بھی نہیں اور عجائب خان کا ساتھ......خدایا......وہ تو مر ہی جائے گی۔اس خیال نے اسے پست کر کے رکھ دیا۔اس کے جسم میں جیسے طاقت ہی نہیں رہی۔

وہ ہر لمحے یہی کوشش کر رہی کہ کسی طرح نکل بھاگے۔اس کے سوا اس کے دل میں کوئی خیال نہیں تھا۔بس وہ عجائب خان کے ہتھے چڑھنے کے خوف سے اندر ہی اندر لرزتی تھی۔اسے اس کی بھی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ کہاں جائے گی۔پہلا مرحلہ بس نکل بھاگنے کا تھا لیکن وحشی جوان کے سامنے اس کی ایک نہیں چلی اور وہ بے حد سفاک اور ظالم تھا۔

مگر اب جب پورا دن اور پوری رات گزر چکی تھی اور عجائب خان سامنے نہیں آیا تھا تو اس نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ یہ وحشی جوان اکیلا ہے۔اس کا کوئی ساتھی نہیں۔یہ سوچتے ہی وہ

قدرے مطمئن ہوگئی۔اس کے اندر کی وحشت اور خوف کسی حد تک کم ہوگیا۔مگر کوئی انجانی حس اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔اس کی سمجھ میں ایک بات آگئی۔بلاوجہ کی مزاحمت اور جدوجہد کا کچھ فائدہ نہیں۔وہ مزاحمت کرے گی تو اور پٹے گی۔پٹے گی تو جسم دُکھے گا اور جسم کی دُکھن اسے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑے گی۔جب کہ کچھ کرنے کے لیے سوچنا اور سمجھنا ضروری ہے۔پھر بے کار اپنا نقصان کیوں کیا جائے۔

پہلی بار اس نے اطمینان کی سانس لی۔اسے خیال آیا کہ اسے بہت کچھ کرنا ہے!

* * *

شیر دست کو جنگل میں کوئی شکار نہیں ملا۔وہ ناکام واپس آگیا۔لڑکی ہوش میں تھی لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔شیر دست پھر چھاگل میں پانی بھر لایا تھا۔تھوڑا سا پانی اس نے اپنے سر پر انڈیلا اور پھر لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔گھٹنوں کے بل جھک کر اس نے لڑکی کے بال مٹھی میں جکڑے اور انہیں ایک جھٹکا دے کر چھاگل اس کے منہ سے لگا دی۔لڑکی نے گردن کو موڑنا چاہا لیکن چھاگل سختی سے ساتھ اس کے منہ سے لگی ہوئی تھی۔پھر شاید جبلت فطرت پر حاوی آگئی۔نہ چاہتے ہوئے بھی لڑکی نے چند گھونٹ لے لیے۔پھر اسے پھندا لگا اور وہ بری طرح کھانسنے لگی۔منہ سے بہہ جانے والا پانی اس کے کپڑوں کو بھگو گیا تھا۔

شیر دست اس کے پاس سے ہٹ گیا۔چھاگل ایک طرف رکھ کر وہ درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔اسے بڑی شدت سے احساس تھا کہ لڑکی کو کچھ کھائے پیئے بغیر چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔وہ جانتا تھا کہ ٹھنڈے پانی نے خالی پیٹ میں قیامت برپا کر دی ہوگی۔مگر اسے لڑکی کا کاٹنا یاد تھا۔وہ اسے گوشت نہیں دے سکتا تھا۔پھر جس سے انتقام لینا ہو، اس کے لیے ہمدردی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

یونہی بیٹھ کر سوچتے سوچتے اسے اپنا گھر اور اپنے لوگ یاد آنے لگے۔اس کے تصور میں پھر گھر کی تباہی کا منظر پھر گیا۔اسے خیال آیا کہ اس نے ماں اور باپ کے قتل کا بدلہ تو لے لیا ہے لیکن بہن کے تار تار لباس اور بے آبروئی کا قرض ابھی باقی ہے۔یہ سوچتے ہی اس کے بدن میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔دل میں آگ سی بھڑک اٹھی اور آنکھوں میں شعلے ناچنے لگے۔

وہ اٹھا اور بڑے خراب تیوروں کے ساتھ لڑکی کی طرف بڑھا۔اس بار اس کے انداز میں وحشت تھی، جو اس سے پہلے اسے چھو بھی نہیں سکی تھی۔لڑکی گھبرائی تو لیکن کچھ سمجھ نہیں سکی۔سمجھ بھی جاتی تو وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔وہ تو بے بس تھی۔

شیردست کا ہاتھ اٹھا اور لڑکی کے گریبان کی طرف بڑھا۔ چر کی آواز کے ساتھ لڑکی کی قمیص پھٹتی گئی۔ شیردست کا ہاتھ پھر نیچے آیا لیکن لڑکی کے جسم کو چھونے سے پہلے وہ ہاتھ جیسے پتھر کا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر کشمکش کا تاثر اُبھرا۔ چند لمحے ساکت رہنے کے بعد اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر وہ وہاں سے ہٹ آیا اور دوبارہ اسی درخت سے ٹھیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اپنا ردعمل خود اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ بری طرح الجھ گیا۔ وہ دل اور دماغ کی کشمکش تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس پر ایک قرض ہے، جسے اتارنا ہے۔ لیکن اس نے سمجھ لیا کہ یہ قرض اتارنا اس کے بس کی بات نہیں۔ لڑکی کے لباس پر ہاتھ ڈالتے ہی اس کے وجود میں شرمندگی کی لہر دوڑ گئی تھی، جس نے اس کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس سے آگے تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس نے ایک نظر لڑکی کو دیکھا۔ مگر فوراً ہی نظر جھکالی۔ وہ کم عمر اور معصوم تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ لڑکی تھی۔ اسے یاد تھا، ایک بار اس نے تہمینہ پر ہاتھ اٹھایا تھا تو ماں بہت ناراض ہوئی تھی ''بیٹے...... آئندہ کبھی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا۔'' ماں نے کہا تھا ''ورنہ میں تمہیں دودھ معاف نہیں کروں گی۔ تمہیں ہر روپ میں عورت کی عزت کرنی ہے...... وہ ماں ہو، بہن ہو، بیوی ہو یا بیٹی۔ تم مرد ہو۔ تمہارا کام عورت کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔''

''یہ تو اب شیردست کو خیال آیا کہ وہ تو لڑکی پر باقاعدہ ظلم کرتا رہا ہے۔ اس نے تو تشدد کیا ہے اس پر اور اب وہ جو کچھ کرنے جارہا تھا، وہ تو اور برا تھا۔ جس ماں کا بدلہ لینے کے لیے وہ یہ سب کر رہا ہے، وہ قیامت کے دن اسے دودھ نہیں بخشے گی۔ اس سودے میں تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔

لیکن یہ سب کچھ تہمینہ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ دماغ نے دلیل دی۔ لیکن اب اس کے وجود میں جو آندھیاں اٹھ رہی تھیں، ان کے سامنے یہ دلیل تنکے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

ٹھیک ہے۔ تہمینہ کے ساتھ ظلم ہوا مگر ظالم گناہ گار ہوئے اور اس لڑکی نے تو کچھ نہیں کیا۔ یہ بھی تو معصوم اور مظلوم ہے اور ظلم کر کے وہ گناہ گار ہو رہا ہے۔

اور انتقام! انتقام تو وہ لینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو خون بہانے والا آدمی ہی نہیں تھا۔ اسے تو گل باز نے مجبور کر دیا تھا۔ وہ تو انتقام سے بچنا چاہ رہا تھا۔ مگر بزدل کہلانا اسے گوارا نہیں تھا۔

اور انتقام تو اس نے لے لیا تھا۔ ٹونگا قبیلے کے سردار کو ختم کر کے۔ اب انتقام کے

لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ زیادتی بھی کرے۔

اس کے اندر کی آگ قدرے سرد ہوگئی۔ مگر ابھی نفرت موجود تھی۔ لڑکی کے بارے میں وہ اب بھی تندی کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ منقسم ہوگیا تھا۔ اس کا ایک حصہ لڑکی سے نفرت کر رہا تھا اور دوسرا اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔

فیصلہ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ لڑکی کو نظر اٹھا کر دینے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ منقسم ہوگیا ہے۔ اس کا ایک حصہ لڑکی سے نفرت کر رہا تھا تو دوسرا اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔

فیصلہ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ لڑکی کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

گل نے پہلی بار شیردست کو غور سے دیکھا۔ اپنے بدلے ہوئے انداز میں وہ پہلی بار اس کا سامنا کر رہی تھی۔ اس نے چھاگل اس کے منہ سے لگائی تو پہلے فطری طور پر اس نے منہ پھیرنے کی کوشش کی۔ مگر پھر اسے اپنا خود سے کیا ہوا عہد یاد آیا۔ اس نے چند گھونٹ پی لیے۔ پھندا لگا تو وہ کھانسنے لگی۔ ستم در ستم یہ کہ خالی پیٹ میں ٹھنڈے پانی نے جیسے آگ لگا دی تھی۔

وحشی، چھاگل ایک طرف رکھ کر ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ گل اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہوئی کہ اس نے اسے وحشی کیسے سمجھ لیا، وہ بے حد وجیہہ تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ بائیس سال ہوگی اور بے حد نرم خو لگ رہا تھا۔ اسے اس طرح دیکھتے ہوئے گل کو یقین نہیں آیا کہ اس نے اس کے بابا اور بھائی کو بغیر چیلنج کئے اتنی سفاکی سے ختم کیا ہوگا اور اس کی کوئی وجہ بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔

مگر گل نے اس کی وحشت دیکھی...... بلکہ بھگتی تھی۔ وہ یہی سوچ سکتی تھی کہ وحشت کا کوئی دورہ اس پر پڑا ہے، جس کے زیر اثر وہ سب کچھ کر رہا ہے۔ ورنہ وہ ایسا لگتا نہیں تھا۔

گل کے دل میں نفرت کی تیز لہر اٹھی۔ وحشت کا دورہ ہو یا کچھ اور...... سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ اس نے اس کے بابا اور بھائی کو قتل کر کے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ گھر پہلے عجائب خان نے چھین لیا تھا اور اس شخص کی وحشت کے بعد وہ دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔

اس نفرت کے باوجود وہ اسے غور سے دیکھتی رہی۔ اپنے خوابوں کے گھڑ سوار کا اس

نے کبھی چہرہ نہیں دیکھا تھا مگر اس وجیہہ شخص کو گھوڑا دوڑاتے دیکھا تھا۔ ایک لمحے کو اسے خیال آیا کہ شاید یہی اس کے خوابوں کا گھڑ سوار ہے۔ مگر اس نے فوراً ہی نفرت سے اس خیال کو جھٹک دیا۔ سب کچھ لوٹنے والے تو خوابوں کے شہزادے نہیں ہو سکتے۔

دیکھتے ہی دیکھتے جانے کیا ہوا کہ اس کے چہرے کی کیفیت بدل گئی۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔ وہ اٹھ کر اس کی طرف آیا۔ اس کے اندر کی وحشت اور جارحیت کو محسوس کر کے گل سہم گئی لیکن وہ بے بس تھی۔ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ اس میں تو ہاتھ ہلانے کی طاقت بھی نہیں تھی اور وہ کچھ کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ خاموشی سے، خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ شاید وہ اسے مارے گا۔ لیکن جو کچھ ہوا، وہ بے حد غیر متوقع تھا۔ اس نے اس کا گریبان تھام کر جھٹکا دیا اور اس کی قمیص نیچے تک پھٹتی گئی۔

وہ سناٹے میں بیٹھی رہ گئی۔ کچھ بھی نہ کر سکی۔ اسے تو اپنی برہنگی کا احساس بھی نہیں ہوا۔ وہ اس چڑیا کے سے انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی، جس پر شکرا جھپٹا ہو اور جسے معلوم ہو کہ اب وہ بچ نہیں سکتی...... وہ خوب جانتی تھی کہ اب وہ کیا کرنے والا ہے۔

اس کا ہاتھ دوبارہ نیچے آیا تو وہ کوشش کے باوجود آنکھیں بھی بند نہ کر سکی۔ شاید وہ خوف زدگی کی آخری حد تھی۔

پھر ایک حیرت انگیز بات رونما ہوئی۔ ظالم ہاتھ اس کے جسم سے ایک انچ دور یوں ساکت ہو گیا جیسے کسی نادیدہ طاقت نے اسے جکڑ لیا ہے۔ وہ اس لمحے بھی اسے دیکھ رہی تھی، جب اس کے چہرے پر شرمندگی کے سوا کچھ نہیں رہا۔ پھر وہ پلٹا اور دوبارہ درخت کے تنے سے ٹک کر بیٹھ گیا۔

گل سحر زدہ سی اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر بڑی سچی شرمندگی تھی۔ اس نے صرف ایک بار ایک پل کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر نظریں نیچی کر لی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ وحشی یا دیوانہ سہی، لیکن شریف انسان ہے۔ بنیادی طور پر وہ ویسا درندہ نہیں، جیسا اب تک نظر آتا رہا ہے۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگ بدلتی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ اس کا ہر تاثر گل کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ شرمندگی، پچھتاوا پھر وحشت۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس کے اندر کوئی آگ جل رہی ہے۔ وہ خود بھی اذیت میں تھا۔ گل کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ کسی

خوف ناک کشمکش سے دوچار تھا۔

وہ گل کے لیے معما بن گیا۔ وہ اس معمے کو سمجھنا چاہتی تھی۔ ایک شخص جو طبعاً ظالم نہیں، ظلم کرنے پر کیوں مجبور ہے۔ اس نے اس کے بابا اور بھائی کو بلاوجہ قتل کیوں کیا؟ وہ اسے پامال کیوں کرنا چاہتا ہے جب کہ اس کی آنکھوں میں کسی شیطانی خواہش کا کوئی عکس نہیں تھا۔

گل اب یہ راز سمجھنا چاہتی تھی۔

* * *

ابھی اسے وحشت سے نجات نہیں مل سکی تھی۔ یا پھر یوں تھا کہ جو خون اس نے بہایا تھا، وہ اس کے سر پر سوار ہو گیا تھا۔

وہ اٹھ کر سامان کی طرف گیا۔ اس نے ایک کمبل اٹھایا۔ پھر وہ لڑکی کی طرف گیا اور اس نے اسے دیکھے بغیر کمبل اس کے جسم پر ڈال دیا۔ لڑکی نے حسب معمول منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے لڑکی کے لمبے بالوں کو درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ سے اس طرح باندھ دیا کہ اب وہ گردن بھی نہیں ہلا سکتی تھی۔

وہ واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اب وہ منہ نہیں پھیر سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی۔ وہ شاید دیر تک سوتا۔ مگر بدلتے موسم نے اسے جگا دیا۔ سوتے میں بھی اسے غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دھوپ کی جگہ اندھیرے نے لے لی تھی۔ سیاہ گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آئی تھیں اور انہوں نے سورج کو بجھا دیا تھا۔

چند منٹ بعد شمال کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ شیر دست کو بارش کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ چٹانی چھجا انہیں با آسانی پناہ دے سکتا تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ بارش اس کے، یہاں قیام کو طویل کر دیتی۔ یہ بات اسے پسند نہیں تھی۔ لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ فی الحال تو بھوک کا مسئلہ ہی خاصا تشویش ناک تھا۔ بارش ہونا یقینی تھا اور اس صورت حال میں ہرن یا پہاڑی بکرے کی تمنا ایسی ہی تھی، جیسے کوئی بچہ چاند کی آرزو کرے۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اب مچھلیوں پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔

ڈوری اور کانٹا اٹھا کر وہ چلنے ہی والا تھا کہ اسے لڑکی کا خیلل آ گیا۔ اس نے بڑھ کر اس کے بال کھول دیے۔ لڑکی کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ لگتا تھا، اس کی گردن ٹوٹ گئی ہے۔ شیر دست کو اس کی ایسی پروا بھی نہیں تھی۔ اس نے بے پروائی سے ڈوری اور کانٹا سنبھالا

اور پہاڑی نالے کی طرف چل دیا۔راستے میں اس نے پتوں اور اچھلنے والے بہت سے ٹڈے پکڑ لیے۔وہ چارے کا کام دیتے۔

ٹڈے، کانٹے میں پھنسا کر اس نے ڈوری پانی میں ڈال دی۔تھوڑی ہی دیر میں کئی مچھلیاں پھنس گئیں۔ایک مچھلی تو کافی بڑی تھی۔چھاگل پانی سے بھر کر مچھلیاں اٹھائے وہ پڑاؤ کی طرف لوٹ آیا۔مچھلیوں کو صاف کر کے اس نے قتلے بنا لیے۔

لڑکی کی گردن اب بھی اسی طرح ڈھلکی ہوئی تھی۔شیر دست نے سوچا، اب شاید اسے صرف اپنے ہی لیے مچھلیاں بھوننی ہوں گی۔لیکن لڑکی زندہ تھی۔بلکہ زیادہ ہی زندہ تھی۔وہ بپھری ہوئی تھی۔جیسے ہی شیر دست اس کے قریب پہنچا لڑکی نے اپنے آزاد پیر استعمال کرتے ہوئے اس کے سینے پر بھرپور لات رسید کر دی۔شیر دست تکلیف کی شدت میں دُہرا ہو گیا۔یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ اس کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔

چند لمحے وہ زمین پر چت پڑا رہا۔اس دوران لڑکی اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرتی رہی۔مگر بندشیں تھیں کہ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکی۔بالآخر مایوس ہو کر اس نے سر جھکا لیا۔

شیر دست کو کچھ اندازہ نہیں تھا۔لڑکی کی وہ حرکت اضطراری تھی۔ورنہ وہ تو بہت پہلے مزاحمت سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی لیکن باپ اور بھائی کی لاشیں دیکھنے والی آنکھوں میں قاتل سے نفرت بھی فطری تھی...... اور وہ نفرت اس کے عقلی فیصلے پر حاوی آ گئی تھی۔شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وحشی شخص نے اس کے بال درختوں کی شاخ سے باندھ کر اسے بے اندازہ اذیت پہنچائی تھی۔بہرکیف اب وہ پچھتا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد شیر دست اٹھ بیٹھا۔غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔وہ اٹھ کر لڑکی کے نزدیک آیا اور اس نے اپنا ریوالور نکال کر اس کی نال لڑکی کی کنپٹی سے چپکا دی۔لڑکی خوف سے کانپنے لگی۔اسے لگ رہا تھا کہ اس کی کہانی ختم ہو رہی ہے۔

لیکن شیر دست نے ریوالور ہٹا کر پیٹی میں اڑس لیا۔پھر بھی اس نے لڑکی کو معاف نہیں کیا۔بالکل اچانک اس نے لڑکی کی دائیں پسلی کے نیچے زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔لڑکی کے حلق سے ایک کرب ناک چیخ نکلی اور اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔وہ کرب کے عالم میں دیر تک جھولتی رہی۔پھر ڈھیر ہو گئی۔شیر دست پیچھے ہٹا اور نفرت سے اسے گھورنے لگا۔

شیر دست بھول نہیں سکتا تھا۔اس سے زیادہ تکلیف ایک اور لڑکی نے برداشت کی تھی۔اس نے ناقابلِ بیان اذیتیں اٹھائی تھیں۔وہ لڑکی شیر دست کی اکلوتی بہن تھی۔اس

کے چہرے پر منجمد خوف اور کرب کے تاثرات وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا......

* * *

اذیت کے باوجود گل سوچ رہی تھی۔اس نے اضطراری طور پر لات چلائی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی شرمندگی دیکھ کر اس نے اس سے کچھ توقعات وابستہ کر لی تھیں۔اس نے سوچا تھا، وہ مزاحمت ترک کرے گی تو وہ اس پر تشدد نہیں کرے گا۔مگر اس نے تو بدسلوکی کی حد ہی کر دی۔درخت کی شاخ سے بال باندھ دینا! خدایا...... اسے لگ رہا تھا کہ اس کا سر دھماکے سے پھٹ جائے گا اور آخر وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔مگر یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔گزشتہ دو دنوں میں اسے بے ہوش ہونے کی عادت ہو گئی تھی۔

وہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔اس نے اپنے گھوڑے کی لگام تھامی اور اسے اس کے پاس لے آیا۔اس نے گھوڑے کو درخت سے باندھا۔پھر درخت کی ایک موٹی سی مضبوط شاخ سے دہری رسی لٹکائی اور رسی کے نچلے سرے پر پھندا بنا لیا۔گل اتنی خوف زدہ ہوئی کہ اس کے سامنے اس کا پچھلا خوف کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔

وحشی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر اسی انہاک سے اپنے کام میں لگ گیا۔پھندا تیار کر کے اس نے گل کے ہاتھوں کے سوا تمام بندشیں کھول دیں۔پھر اس نے اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کھڑی نہیں ہو سکی۔اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہیں رہی تھی۔اس نے سہارا دے کر اسے گھوڑے پر بٹھا دیا۔اس نے اسے یوں آسانی سے اٹھا لیا، جیسے وہ کوئی صحت مند لڑکی نہ ہو، بلکہ گڑیا ہو۔پھر اس نے اس کی گردن میں پھندا ڈال دیا۔اس کے بعد اس نے گھوڑے کو کھولا اور تھپکی دے کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

گھوڑا آگے بڑھا۔خوف زدہ گل نے دونوں ٹانگوں کا زور لگا کر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن گھوڑا آگے نکل چکا تھا۔وہ فضا میں معلق ہو گئی۔کچھ دیر بعد اس کے پیر فضا میں جھولتے رہے۔اپنے حلق کی خرخراہٹ وہ خود بھی سن رہی تھی۔

پھندا نہ جانے کیوں بہت دھیرے دھیرے تنگ ہو رہا تھا۔اس کی آنکھیں حلقوں سے جیسے باہر نکلنے لگیں۔دماغ میں اندھیرا بھرنے لگا۔دم گھٹ رہا تھا۔سانس رک رہی تھی۔اس نے جان لیا کہ اس کا وقت آ پہنچا۔

مگر عین اس وقت جب وہ دل میں کلمہ پڑھ رہی تھی، اس نے خود کو نیچے گرتا محسوس کیا۔ وہ ایک دھماکے سے زمین سے ٹکرائی۔ مگر یہ تکلیف دم گھٹنے کی تکلیف کے مقابلے میں نعمت عظمیٰ تھی۔ حالاں کہ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے جسم کی ہر ہڈی چور چور ہوگئی ہے۔

ایک بار پھر وہ بے ہوش ہوگئی!

✿ ✿ ✿

لڑکی بے حد سخت جان ثابت ہو رہی تھی۔ مگر پھندا بناتے ہوئے شیر دست نے اس کے چہرے کو دیکھا تو اسے ناقابل بیان خوشی ہوئی۔ لڑکی کے چہرے پر پہلی بار اسے حقیقی خوف نظر آیا تھا۔

گھوڑا لڑکی کے نیچے سے نکل گیا۔ لڑکی لٹک گئی۔ اس کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ دھیرے دھیرے اس کی ٹانگوں کی اینٹھن دم توڑ گئی۔ وہ بے سدھ ہوگئی۔ شیر دست نے تیزی سے آگے بڑھ کر چاقو کی مدد سے رسی کاٹ دی۔ لڑکی زور دار آواز کے ساتھ زمین پر گری۔ شیر دست نے آگے بڑھ کر اس کی نبض دیکھی۔ وہ زندہ تھی۔

مگر شیر دست خود بھی اچنبھے میں تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وہ تو لڑکی کا قصہ پاک کر دینا چاہتا تھا۔ مگر نجانے کیوں......؟ شاید وہ اسے اور اذیتیں دینا چاہتا تھا۔

اس کے باوجود اسے حیرت تھی کہ لڑکی اب بھی زندہ ہے۔ اس کی تو گردن ٹوٹ جانی چاہیے تھی اور کچھ نہیں تو اسے دم گھٹنے کی وجہ سے مرجانا چاہیے تھا لیکن لڑکی کی قوتِ ارادی اور زندگی کی خواہش دونوں ہی ناقابلِ شکست تھیں۔

وہ جھنجلا گیا۔ تو پھر اس کی بہن کیوں مرگئی؟ وہ زندہ کیوں نہیں رہی؟ اور یہ لڑکی اب تک کیوں نہیں مری؟

اس نے آگے بڑھ کر لڑکی کو پھر باندھ دیا۔ لڑکی کا گلا بری طرح سوجا ہوا تھا۔ اس کی گردن میں پھندا اب بھی موجود تھا۔ اس نے چاقو سے وہ پھندا کاٹ ڈالا۔ کاٹتے وقت اس نے کسی احتیاط سے کام نہیں لیا تھا۔ اس کے باوجود لڑکی کو خرش تک نہیں آئی۔

وہ اٹھا اور ادھر ادھر گھوم کر الاؤ کے لیے لکڑیاں چننے لگا۔ الاؤ روشن کرنے کے بعد اس نے نوکیلی لکڑیوں پر مچھلی کے قتلے پروئے اور انہیں آگ پر سینکنے میں مصروف ہوگیا۔ مچھلی تیار ہوگئی۔ اس نے بڑی رغبت سے مچھلی کے قتلے کھائے اور خوب ڈٹ کر پانی پیا۔ پھر خنجر سے نرم زمین کھود کر اس نے مچھلی کے کانٹے دبا دیے۔ چلم سلگا کر گہرے کش لیتے ہوئے وہ بڑی

طمانیت کے ساتھ الاؤ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کا رقص دیکھتا رہا۔

وہ گہری سیاہ رات تھی، جس نے سیاہ گھٹاؤں کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ اس چادر نے اپنے دبیز اندھیرے دامن میں چاند ستاروں کو چھپا رکھا تھا۔ صرف الاؤ کے پاس ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

شیر دست کو قریب ہی کسی آہٹ کا ادراک ہوا۔ اس نے چونک کر آہٹ کی سمت دیکھا لیکن اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ اس نے سوچا، ممکن ہے کوئی پہاڑی ریچھ ہو اور الاؤ کی وجہ سے قریب آنے کی ہمت نہ کر پا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد گھپ اندھیرے سے ایک سایہ سا جدا ہو کر الاؤ کی طرف بڑھا۔ اس بار الاؤ کی تھرکتی روشنی میں شیر دست نے واضح طور پر اسے دیکھ لیا۔ اس نے تیزی سے ریوالور نکال کر گولی چلا دی لیکن وہ سایہ پھرتی سے پلٹ کر پھر بیکراں اندھیرے میں گم ہوگیا۔ وہ مقتولین کا کتا تھا، جسے شیر دست بھول ہی گیا تھا۔

شاید فائر کی آواز لڑکی کو ہوش میں لے آئی تھی۔ وہ خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ شیر دست نے چلم بجھائی اور چاقو کو تولتا ہوا لڑکی کے نزدیک چلا گیا۔ اس کے پاس بیٹھنے کے بعد اس نے لڑکی کے بال جکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے لڑکی کی آنکھوں کے سامنے چاقو لہرانے لگا۔ الاؤ کے بھڑکتے شعلوں کی روشنی میں چاقو کی دھار سے رنگ برنگی شعاعیں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

شیر دست نے چاقو کا پھل لڑکی کی ناک پر رکھ دیا۔ مگر اسے مایوسی ہوئی۔ لڑکی اب خوف زدہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید شیر دست کی آخری کوشش نے اسے موت سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔

کچھ لمحے یوں ہی گزر گئے۔ پھر لڑکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت آمیز انداز میں تھوک دیا۔

وہ حیران رہ گیا۔ اتنا حیران کہ اپنی جگہ منجمد سا ہو کر رہ گیا۔ لڑکی کی مزاحمت اور نفرت اب بھی ناقابل شکست تھی۔ اس احساس نے شیر دست کے ذہن میں انگارے بھر دیے۔ حیرت کے جھٹکے سے سنبھلتے ہی اس نے لڑکی کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر الاؤ میں اچھال دی۔ چرمراتے ہوئے بالوں کی بو چند لمحے میں فضا میں رہی پھر معدوم ہوگئی۔ وہ لڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔

اس رات بھی اس نے حسب سابق لڑکی کو قریب ہی باندھا اور سو گیا۔

✿ ✿ ✿

گل بہت دیر تک سو نہیں سکی۔ اس کے جسم کا ہر جوڑ دُکھ رہا تھا۔ سوجے ہوئے گلے میں الگ تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ اتنا کچھ ہونے اور اتنا کچھ سہنے کے باوجود وہ زندہ کیسے ہے۔

بندھے ہونے کی وجہ سے اسے بے آرامی بھی تھی۔ اس بے آرامی میں اسے چھتیس گھنٹے ہو چکے تھے اور اس عرصے میں اس نے دو گھونٹ پانی کے سوا کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے کمزوری بھی ہو رہی تھی۔ ایسے میں نیند آنا آسان نہیں تھا۔

آدمی اس طرح کے حالات سے دوچار ہو اور سو بھی نہ سکے تو سوچنے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔ دو دن کے اندر اندر اس کی دنیا ہی لٹ گئی تھی۔ اب اس کے سامنے کوئی مستقبل نہیں تھا۔ اس کا کوئی گھر نہیں تھا...... کوئی تحفظ دینے والا نہیں تھا۔ وہ بھری کائنات میں اکیلی رہ گئی تھی۔

اور یہ سب کچھ صرف ایک شخص کی وجہ سے ہوا تھا۔ صرف ایک شخص نے کیا تھا یہ سب کچھ۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ ایسا کیوں کیا؟ کیا اس لیے کہ وہ پاگل، جنونی ہے؟ ہاں...... کم از کم اس وقت تو وہ پاگل اور جنونی ہی لگتا تھا، جب اس پر وحشت سوار ہوتی تھی۔ مگر اس کے علاوہ وہ دیکھنے میں ہوش مند، نرم خو اور پرکشش تھا۔

گل نے سوچنے کی کوشش کی کہ ممکن ہے بابا اور بھائی سے اس کی کوئی دشمنی ہو۔ مگر اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ گل جانتی تھی کہ بابا اور بھائی کبھی بستی سے نہیں نکلے اور یہ وحشت زدہ انسان کبھی بستی میں آیا نہیں۔ پھر؟ بغیر کسی جواز کے، کسی دشمنی کے کوئی کیسے کسی کو اتنی سفاکی سے ختم کر سکتا ہے۔ گل جانتی تھی کہ ان علاقوں میں دشمن کو اور انتقام کو کیسی مقدس چیز سمجھا جاتا ہے۔ مگر دشمنی بھی تو بے سبب نہیں ہوتی اور انتقام بھی تو کسی زیادتی کا ردعمل ہوتا ہے۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

گل سوچتی اور الجھتی رہی۔ اس نے اس وحشی شخص کو اس کے کمزور لمحوں میں دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ جو کچھ کر رہا تھا، اس پر خوش نہیں تھا۔ صاف پتا تھا کہ وہ اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ مگر ان کمزور لمحوں کے بعد بھی وہ رکا نہیں تھا۔ بلکہ اس کا ظلم بڑھ گیا تھا۔ کیوں؟ ایسی کون سی بات ہے جو اس سے یہ سب کچھ کروا رہی ہے۔ بات کیا ہے؟ اس نے اس کے لباس کو دریدگی دی۔ مگر اسے میلی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اس کی برہنگی کو کمبل سے

ڈھانپ دیا۔ یہ سب کیا ہے؟

کہتے ہیں کہ نیند کانٹوں پر بھی آجاتی ہے۔ گل کو بھی نیند آگئی اور صرف نیند ہی نہیں آئی۔ اس نے بہت خوب صورت خواب دیکھا۔ وہی خواب جو وہ برسوں سے دیکھ رہی تھی۔ مگر اس رات وہ خواب مکمل ہو گیا۔ اس نے گھڑ سوار کا چہرہ پہلی بار دیکھا...... اور حیران رہ گئی۔

وہ یہی وحشی تھا، جس نے اس پر تشدد کی حد کر دی تھی!

✿ ✿ ✿

شاید وہ رات ہی خواب دیکھنے کی تھی!

شیر دست ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکا۔ دو لڑکیوں کے خون میں نہائے ہوئے چہرے اس کی نظروں میں گھوم رہے تھے۔ پھر وہ سویا تو وہ اس کے خواب میں آگئے۔ مگر وہ دو نہیں، تین تھیں اور وہ تینوں بہت دور سے اسے پکار رہی تھیں...... اسے اشارہ سے بلا رہی تھیں۔ ان کے چہرے لہولہان تھے اور کھلے ہوئے لمبے لمبے بال گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ان میں ایک اس کی بہن تہمینہ ہے اور دوسری اس کی منگیتر زرینہ ہے۔ مگر تیسری لڑکی کون ہے، یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ خواب میں بھی وہ اس کے بارے میں الجھن اور تجسس محسوس کر رہا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے ان کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کے لبوں پر زرینہ اور تہمینہ کے نام سسکیوں کے ساتھ لہرا رہے تھے۔ وہ زیر لب قسمیں کھا رہا تھا کہ وہ ٹونگا قبائل سے ان کا انتقام ضرور لے گا۔

وہ قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ تیسری لڑکی وہ ہے جو انتقام کے دوران اس کے ہاتھ لگی تھی۔ اسے اپنی بہن اور منگیتر کے ساتھ دیکھ کر اس کا خون کھول اُٹھا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ تینوں دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اگلے ہی لمحے وہ پھر نمودار ہوئیں۔ مگر اب وہ تینوں ہی بے چہرہ تھیں۔ چہروں سے خدوخال غائب ہو گئے تھے۔ اب وہ صرف خون آلود نقاب معلوم ہو رہے تھے۔

اس نے چہروں کی بے نام نقابوں سے نیچے ان کے جسموں کو دیکھا۔ تینوں کے ایک جیسے لباس...... اور وہ بھی تار تار تھے۔ تینوں کے جسموں پر تشدد کے نشان تھے۔ وہ الجھ کر رہ گیا۔ اس کی بہن کون سی ہے، منگیتر کہاں ہے۔ وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر وہ تینوں بولنے لگیں...... فریاد کرنے لگیں۔ ان کی آوازیں، ان کے لہجے اور ان کا

آہنگ ایک تھا۔ان کی آوازوں میں پرسوز نوحوں کی نے گونج رہی تھی''ہمارا یہ حال کس نے کیا؟''ہم پر یہ ظلم کس نے کیا؟ کس نے لوٹا ہے ہمیں؟''ان کے بے خدوخال چہروں پر آنکھیں نظر آرہی تھیں۔نگران سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔وہ تڑپ کر ایک قدم آگے بڑھا۔تاکہ اپنی بہن اور منگیتر کے آنسو پونچھ سکے لیکن اسے علم نہیں تھا کہ بہن کون سی ہے اور منگیتر کون سی ہے۔ناچار تڑپتے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے تینوں کے آنسو پونچھنے کے لیے ہاتھ بڑھائے لیکن اسی لمحے وہ تینوں جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔اس کے ہاتھ پہلوؤں کے ساتھ جھولتے رہ گئے۔وہ کسی ایک کے آنسو بھی نہیں پونچھ سکا۔

اسی وقت اس کی آنکھ کھل گئی!

سورج نہیں نکلا تھا لیکن شیر دست کو احساس ہو رہا تھا کہ صبح ہو چکی ہے۔پرندے موسم کے تیور دیکھ کر جلدی جلدی غذا کی جستجو میں پرواز کر رہے تھے۔ہر طرف ایک ملگجا سا اُجالا تھا۔یہ اُجالا سورج نکلنے سے پہلے کے تاریک اُجالے سے بالکل مختلف تھا۔درحقیقت آسمان کو گہرے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ہوا میں نمی اور بوجھل پن تھا۔آثار بتا رہے تھے کہ کسی بھی لمحے بارش ہو جائے گی۔

اس نے اٹھ کر ایک انگڑائی لی اور تیزی سے خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے وہ چھجے کے نیچے اندر کی طرف ڈھیر کرتا رہا۔پھر اس نے لڑکی کو دیکھا۔وہ سو رہی تھی یا خود کو سویا ہوا ظاہر کر رہی تھی۔وہ بندھی ہوئی لڑکی کو گھسیٹ کر چھجے کے نیچے لے آیا۔گھسیٹے جانے پر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی۔اسے ایک طرف چھوڑ کر شیر دست نے چھاگل اٹھائی اور چشمے کی طرف چل دیا۔ٹھنڈے پانی سے کلیاں کر کے،چہرے پر دو چار چھپکے مار کے اس نے اپنی چھاگل بھری اور واپس چل دیا۔

ہوا کچھ اور بوجھل ہو گئی تھی۔شیر دست نے سوچا کہ جنگل میں شکار کے لیے ایک اور کوشش کر دیکھے۔چھاگل رکھ کر اس نے اپنا گھوڑا کھولا اور اس پر بیٹھ کر جنگل کی طرف چل دیا۔لڑکی اب بھی سوئی ہوئی تھی۔

اس صبح قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور اسے ایک ہرن مل گیا۔زیادہ کی اس نے کوشش ہی نہیں کی۔بارش کسی بھی وقت شروع ہو سکتی تھی۔اور وہ اس سے پہلے اپنے پڑاؤ پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

پڑاؤ کے پاس پہنچ کر اسے ٹھٹک جانا پڑا۔اسے افسوس ہوا کہ جانے سے پہلے اس

نے الاؤ روشن نہیں کیا تھا۔بندھی ہوئی لڑکی کے قریب ایک سیاہ ریچھ کھڑا اسے سونگھ رہا تھا۔لڑکی کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔

شیر دست نے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں اور اپنی بندوق لے کر ریچھ کی طرف لپکا۔ اس کی طرف ریچھ کی پشت تھی۔مگر شیر دست کو خیال آیا کہ وہ بندوق استعمال نہیں کر سکتا۔اس سے لڑکی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔اس نے آہستگی سے بندوق نیچے رکھی اور خنجر نکال کر دبے پاؤں سے ریچھ کی طرف بڑھنے لگا۔

اسی لمحے لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔

شیر دست کو امید تھی کہ لڑکی کی آنکھوں میں التجا نظر آئے گی۔لیکن وہ ہر اعتبار سے مایوس کن ثابت ہو رہی تھی۔اس کے جسم میں خوف کا تناؤ تو وہ محسوس کر سکتا تھا۔اس کے باوجود وہ حیرت انگیز طور پر پرسکون تھی۔

ایک تصویر سی شیر دست کی آنکھوں میں چمک گئی۔لیکن یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ شیر دست کو پتا بھی نہ چلا کہ تبدیلی لانے والے لمحے نے کب اس کے پورے وجود کو اپنی گرفتار میں لے لیا۔

وہ دبے پاؤں ریچھ کی طرف بڑھتا رہا۔ریچھ اب جارحیت پر آمادہ تھا۔شیر دست نے بڑی احتیاط سے اس کے کندھوں کے درمیانی حصے میں پوری طاقت سے وار کیا۔خنجر اندر تک دھنس گیا۔ریچھ کے حلق سے کریہہ آواز نکلی اور وہ جھنجلا کر پلٹا۔شیر دست کو خنجر نکالنے کی مہلت نہیں ملی اور وہ ریچھ سے دو بدو لڑ نہیں سکتا تھا۔وہ بہت پھرتی سے اپنی بندوق کی طرف لپکا۔ریچھ بھاری قدموں سے......سستی سے اس کی طرف آرہا تھا۔

شیر دست نے بندوق اٹھائی،سیدھی کی،نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔گولی ریچھ کے سینے میں لگی۔وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹا اور پلٹ کر دھب دھب بھاگنے لگا۔شیر دست نے ایک اور فائر کیا۔مگر وہ یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ گولی ریچھ کو لگی ہے،بہرکیف ریچھ بھاگ گیا۔

شیر دست لڑکی کی طرف گیا۔اس نے تیزی سے تمام بندشیں کھول کر اسے آزاد کر دیا۔اب جو اس نے لڑکی کے چہرے کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔چند لمحے پہلے تک بے تاثر نظر آنے والا چہرہ اچانک ہی خوف کے سایوں میں بھر گیا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک طوفان سا مچل رہا تھا۔وہ شیر دست کی طرف دیکھ رہی تھی۔لیکن اس کی آنکھیں خوف کے سوا ہر جذبے سے عاری تھیں،وہ خوف جو کسی سیال کی طرح دھیرے دھیرے اس کی آنکھوں میں پھیل رہا

تھا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ شیر دست نے اس کی بندشیں کھول دی ہیں۔

اسی لمحے بادل خوف ناک انداز میں گرجے اور لڑکی چونک کر تھرتھراتے ہوئے بدن کے ساتھ شیر دست سے لپٹ گئی۔ بادل پھر گرجے اور اس بار خوف کے پگھلے ہوئے سیلاب نے ضبط کے سارے بندھن توڑ دیے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور شیر دست کا سینہ بھیگتا چلا گیا۔

وہ شیر دست کے موسم جوانی کی پہلی بارش تھی!

* * *

لڑکی اب بھی روئے جا رہی تھی۔ اس کا بدن یوں کانپ رہا تھا، جیسے کسی ساز کا تنا ہوا تار مضراب کی ضرب پر دیر تک لرزتا ہے۔ شیر دست انجانے میں لڑکی کے ہاتھ کو تسلی دینے والے انداز میں تھپکے جا رہا تھا لیکن اس کی کھلی آنکھیں سامنے کا کوئی منظر نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو برسوں پہلے کا ایک منظر دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ لڑکا تھا اور اس کی بہن ایک چوہے کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئی تھی۔ ایسے ڈری تھی کہ اس سے لپٹ کر دیر تک اس کا سینہ بھگوتی رہی تھی۔

اس کے کانوں میں ماں کی ممتا بھری آواز گونجی ''پگلی...... چوہے سے ڈر گئی۔'' پھر ماں اس سے مخاطب ہو کر بولی ''اور یہ تو ہونقوں کی طرح کیا دیکھے جا رہا ہے۔ دیوانے، لڑکیاں تو ایسی ہی نازک اور نرم دل ہوتی ہیں۔ چوہے سے بھی ڈر جاتی ہیں۔''

پھر شیر دست کی کھلی آنکھوں کے سامنے چند لمحے پہلے کا وہ منظر لہرا گیا، جب ریچھ اس لڑکی کو سونگھ رہا تھا اور لڑکی دم سادھے پڑی تھی! یہ چیخی کیوں نہیں؟ یہ سوال بار بار اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ چوہے کو دیکھ کر ڈر جانے والی نرم و نازک لڑکیاں تنہا سنسان جنگل میں ریچھ کا خطرہ سامنے آنے پر بھی چپ رہ سکتی ہیں؟ نہیں۔ اس کے ذہن نے جواب دیا۔ پھر یہ چیخی کیوں نہیں؟ اس کا ذہن تکرار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنے اندر ابھرنے والا جواب سن کر اس کی روح تک ندامت سے لرز گئی۔ لڑکی نے روئے زمین کے سب سے خوف ناک، سفاک اور بے رحم درندے کو دیکھ کر بھگت لیا تھا۔ اب کوئی اور درندہ بھلا اسے خوف زدہ کر سکتا تھا۔ بے شک درندگی میں بھی انسان ہی سب سے بڑھ کر ہے۔ اپنے پیاروں کا انتقام برحق لیکن یہ معصوم اور نازک سی لڑکی کس گناہ کی سزا بھگت رہی ہے۔ اس کی بہن کی طرح یہ لڑکی بھی جو اس کی بہن نہیں ہے، بے گناہ ہے۔

شیر دست دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ شرمندگی کے احساس نے اس کے جسم کو شل کر کے رکھ دیا۔ وحشت جو اس کے سر پر خون کی طرح سوار تھی، پوری طرح

اُتر گئی...... شرمندگی میں غرق ہو گئی۔

اچانک لڑکی ایک جھٹکے سے دور ہٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے تحیر جھلک رہا تھا۔ پھر تحیر کی اس ہلکی سی تہہ کو ہٹا کر نفرت دوبارہ اس کی آنکھوں میں در آئی۔ لیکن اب شیر دست خود کو اس نفرت کا مستحق سمجھ رہا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا تھا، مردانگی کی توہین تھی۔ اس نے اپنا سر جھکا اور الاؤ کی طرف بڑھ گیا۔ مچھلی کے قتلے گرم کر کے وہ لڑکی کی طرف لے آیا، جو دو دن سے بھوکی تھی۔

اس نے ایک قتلہ لڑکی کے ہونٹوں سے لگایا لیکن لڑکی نے منہ پھیر لیا۔ شیر دست نے لڑکی کا چہرہ گھما کر سامنے کیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

''لو...... کھا لو......'' شیر دست پہلی بار اس سے مخاطب ہوا۔

لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''دو دن سے تم نے کچھ نہیں کھایا ہے۔ یوں خود پر ظلم مت کرو۔''

لڑکی کی آنکھوں میں جو جواب اُبھرا، اس نے شیر دست کو اپنی نظروں میں حقیر کر دیا۔ اس لڑکی کی آنکھیں خوب بولتی تھیں...... ہر بات کہہ سکتی تھیں۔ وہ آنکھیں ملامت کی زبان میں اسے یاد دلا رہی تھیں کہ اس سے کہیں زیادہ ظلم تو وہ اس پر کر چکا ہے۔ اس کے ظلم کے مقابلے میں نہ کھانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

لڑکی کو کچھ کھلانا ضروری تھا۔ اب اس کے لیے شیر دست اپنی انگلیاں چبوانے کا خطرہ بھی مول لے سکتا تھا۔ لیکن لڑکی نڈھال تھی۔ اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ اس کے کاٹ سکتی۔ شیر دست نے اس بار قتلہ زیادہ قوت سے اس کے منہ میں ٹھونسنے کی کوشش کی۔ اس بار بہت دھیرے دھیرے لڑکی کے ہونٹ نیم وا ہوئے اور چمک دار سفید دانتوں کی قطار نظر آئی۔ وہ بے حد ہموار دانت تھے۔

لڑکی نے دانتوں سے قتلے کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا اور دھیرے دھیرے اسے چبانے لگی۔ شاید متورم جبڑوں کی وجہ سے منہ چلانا اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ شیر دست اپنے ہاتھوں سے اسے کھلاتا رہا۔ حتیٰ کہ لڑکی نے اشارہ سے بتایا کہ وہ مزید کھانا نہیں چاہتی۔ پھر وہ چھاگل اُٹھا لایا اور لڑکی کو سہارا دے کر اسے گھونٹ گھونٹ پانی پلانے لگا۔

لڑکی اب پرسکون ہو گئی تھی۔ شیر دست نے بچے ہوئے قتلے خود کھا لیے اور پانی پی کر

سکون کی ایک گہری سانس لی۔ اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ لڑکی رو رہی ہے۔ اس نے بڑی نرمی اور محبت سے لڑکی کے چہرے پر بکھرے ہوئے بال ایک طرف ہٹائے اور انگلی کی مدد سے بڑی نزاکت سے اس کے آنسو سمیٹ لیے۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ اس کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو بہہ نکلے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے ابھی ابھی اس نے اپنا اُجڑا ہوا گھر اور اپنے گھر والوں کی لاشیں دیکھی ہوں۔ اس کے آنسو بہہ بہہ کر لڑکی کے بالوں کو بھگو رہے تھے۔

✿ ✿ ✿

گل اپنے بابا اور بھائی کے قاتل کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بے آواز رو رہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے یوں بہہ رہے تھے، جیسے یہ برسات کبھی نہیں تھمے گی۔ ایسا لگتا تھا کہ آنسو اس نے نجانے کب سے روک کر رکھے تھے...... جمع کر کر رکھے تھے۔

گل کی حیرت یوں تھی کہ اس نے پہلے کبھی کسی مرد کو روتے نہیں دیکھا تھا۔ بابا بھی کبھی نہیں روئے تھے۔ ماں کی وفات پر بھی نہیں۔ بلکہ اس موقع پر جب بھائی کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں تو بابا نے بھائی کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر سخت لہجے میں کہا تھا ''شیر دل، آنسو نہیں گرنے پائیں۔ یاد رکھو، پہاڑ رو سکتے ہیں، مرد کبھی نہیں روتے

مگر یہاں وہ مرد رو رہا تھا، جس نے اس کے باپ اور بھائی کو بغیر کسی وجہ کے، خبردار کیے بغیر مار ڈالا تھا۔ جس نے ایک ظلم کو چھوڑ کر اس پر ہر وہ ظلم کیا تھا، جو کسی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ مگر اب وہ رو رہا تھا۔

گل اپنا رونا بھول کر بہت غور سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اسے بہت دکھی دل کے آنسو لگے، جیسے کوئی بہت...... بہت زیادہ اذیت برداشت کرنے کے بعد اذیت سے چھٹکارا پانے پر روتا ہے۔ وہ اس اذیت کے آنسو ہوتے ہیں، جو خاموشی سے آنسو بہائے بغیر برداشت کر لی گئی ہو۔ یہ اسے ایسے ہی آنسو لگے۔

اس لمحے وہ کڑیل مرد، جس نے اسے چھوٹی سی گڑیا کی طرح اٹھا لیا تھا، بہت چھوٹا سا بچہ لگا۔ اسے اس پر ترس آنے لگا۔ اس لمحے وہ یہ بھی بھول گئی کہ وہ اس کے بابا اور بھائی کا قاتل ہے۔ اس کا جی چاہا کہ اس کے آنسو پونچھ دے مگر پھر اسے بابا اور بھائی کی موت یاد آ گئی۔

مگر وہ جانتی تھی کہ رات ہی رات میں وہ بدل گئی ہے۔ وہ اپنے خواب کو بہت اہمیت دیتی تھی اور رات اس نے گھڑ سوار کا چہرہ دیکھ اور پہچان لیا تھا اور کیسی عجیب بات تھی کہ صبح اس کا خواب سچا ثابت ہوا۔ اسے ریچھ سے بچانے والا گھڑ سوار یہی قاتل تھا۔ وہی اس کے

خواب والا گھڑ سوار تھا۔

اس گھڑ سوار سے تو وہ اس وقت سے محبت کرتی تھی، جب اس نے پہلی بار وہ خواب دیکھا تھا۔ مگر اب وہ مل گیا تھا تو وہ اس سے محبت نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں، اس کی نفرت ڈھل گئی۔ عناد بھی کم ہو گیا تھا۔ مگر اچانک ہی کسی لمحے وہ نفرت اُبھر آتی تھی۔

گل نے جان لیا کہ اسے بڑی خوفناک کشمکش کا سامنا ہے۔

✿ ✿ ✿

جذبات کی وہ اجنبی کیفیت گزر گئی تو جس پہلی چیز نے شیر دست کے ذہن کو جھنجوڑا، وہ بارش کا خوف تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ سوچ رہا تھا کہ چٹائی چھجا بارش کی پناہ کے لیے کافی ہے لیکن اب فطرت کا وہ قانون اسے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کے لیے مجبور کر رہا تھا، جس کے تحت ہر مرد پر عورت کی حفاظت اور اسے آرام پہنچانا واجب ہوتا ہے۔

وہ اس سلسلے میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس احساس کے تحت اُٹھا...... وہ لڑکی کو وہیں چھوڑ کر درختوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس بار اس نے لڑکی کو باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ البتہ اس نے بندوق اور کلہاڑی ضرور لے لی تھی۔

دیر تک وہ ادھر ادھر گھومتا رہا۔ اسے دو قد آدم شاخوں کی ضرورت تھی، جنہیں زمین میں گاڑ کر وہ ستون کا کام لے سکے۔ جلد ہی اسے اپنے مطلب کی شاخیں نظر آ گئیں۔ اس کی چھوٹے دستے والی کلہاڑی کا پھل بہت تیز تھا۔ شاخیں کاٹ کر وہ انہیں چھجے کے پاس لے آیا۔

اچانک ہی اسے اپنا شکار کیا ہوا ہرن یاد آ گیا۔ ریچھ کو دیکھنے کے بعد وہ اسے بھول گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کو بھی کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جا کر گھوڑا پکڑا اور چھجے کے قریب ہی ایک درخت سے باندھا۔ پھر وہ ہرن کو وہاں لے آیا۔ اس نے اس کی کھال اُتاری اور گوشت کو نمک لگا کر چھوڑ دیا۔ اب گوشت کے خراب ہونے کا ڈر نہیں تھا۔

لڑکی اسے بہت دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

ہرن نمٹنے سے کے بعد شیر دست نے اپنی لائی ہوئی شاخوں کو چھجے کے دونوں طرف زمین میں گاڑ کر ان کے ساتھ ایک چادر کو باندھ دیا۔ چھجا چھت کا کام دے رہا تھا اور چادر سامنے والی دیوار بن گئی تھی۔ مگر دونوں پہلو اب بھی غیر محفوظ تھے۔ اگر بارش ان میں کسی رُخ سے ہوتی تو بوچھار انہیں بھگو سکتی تھی۔

لڑکی خاموش بیٹھی اسے کام کرتے دیکھتی رہی۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں تھی۔

شیر دست پھر درختوں کی طرف گیا اور مزید دو لکڑیاں کاٹ لایا۔ دونوں لکڑیاں گاڑنے کے بعد اس نے کمبل کی مدد سے ایک پہلو پر دیواری سی بنا دی۔ اس کے پاس زیادہ کمبل نہیں تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ غیر محفوظ رُخ سے بارش ہونے کی صورت میں دوسری طرف کا کمبل ادھر لگا دے گا۔

شیر دست پھر باہر گیا۔ اس بار وہ اِدھر اُدھر سے گھاس جمع کر کے لاتا رہا۔ گھاس کو اس نے زمین پر چاروں طرف بچھا دیا کہ نرم سا فرش تیار ہو گیا۔ گھاس کے اس فرش پر اس نے اپنا سب سے بڑا کمبل بچھا دیا۔ ایک کمی محسوس ہوئی تو اس نے بستر کے ایک طرف مزید گھاس لا کر ڈال دی اور اسے تکیے کی شکل دے دی۔

اب وہ مطمئن اور خوش تھا۔ گھر والوں کی موت کے بعد اس نے کبھی اپنا بھی اس طرح خیال نہیں رکھا تھا۔ اس کام نے ایسے لطف سے آشنا کیا، جس سے وہ بہت پہلے محروم ہو چکا تھا۔ اس نے لڑکی کو کسی چھوٹی سی بچی کی طرح اٹھا کر بڑی احتیاط سے بستر پر لٹا دیا۔ پھر اس پر دو کمبل ڈال دیے۔ وہ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھتی رہی لیکن اس کی آنکھوں میں جھانکنے کے بعد مطمئن نظر آنے لگی۔

شیر دست نے اپنی اس محفوظ پناہ گاہ کے کھلے پہلو کی طرف نیا الاؤ روشن کر دیا۔ پرانے الاؤ کو اس نے مٹی ڈال کر بجھا دیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ دوپہر ہونے والی ہے۔ وہ جلدی جلدی شکار کیے ہوئے ہرن کا گوشت بھوننے میں مصروف ہو گیا۔

اس بار لڑکی نے کھانے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے کھاتی رہی۔ کھانے کے بعد شیر دست نے پہلے اسے پانی پلایا، پھر خود پیا۔ لڑکی اسے تشکرانہ انداز میں دیکھتی رہی۔ شیر دست نے بچا ہوا گوشت سمیٹ کر رکھ دیا۔ اس سے رات کے کھانے بلکہ صبح کے ناشتے تک گزارہ ہو سکتا تھا۔

شیر دست لڑکی کے پاس آ بیٹھا۔ اس کے محسوسات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ لڑکی کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا تھا، اسے یاد تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نے یہ سب کیسے کیا۔ وہ تو اس درندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب اس کی شرمندگی کی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے کیے کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ مگر جانتا تھا کہ کچھ بھی کر لے، تلافی ممکن نہیں۔

پہلی بار اس نے لڑکی کو مختلف نظر سے...... مرد کی نظر سے دیکھا۔ وہ اس کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ بے حد حسین تھی۔ اس کی آنکھیں بے حد روشن تھیں۔ ان کے اظہار کی بے پناہ صلاحیت کا وہ پہلے ہی قائل ہو چکا تھا۔ وہ بولتی آنکھیں ہی تو اس سے باتیں کرتی رہی تھیں۔ سوچے

ہوئے چہرے کے باوجود وہ بے حد خوب صورت اور پرکشش لگ رہی تھی۔ وہ دراز قامت اور خوش بدن تھی۔

لڑکی نے جو اسے متوجہ پایا تو اس کے رخسار تمتما اٹھے۔

"تم جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔" شیر دست نے دھیمی آواز میں کہا "اب تم آزاد ہو۔"

لڑکی پوری شدت سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" شیر دست نے پوچھا۔

لڑکی کے حلق سے بے معنی آوازیں نکلنے لگیں۔ شیر دست کو ایک ناقابل بیان صدمے کا احساس ہوا۔

لڑکی گونگی تھی!

✿ ✿ ✿

گل کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک لمحے میں کوئی شخص اتنا بدل بھی سکتا ہے۔ اب وہ اسے وحشی اور قاتل جیسے لفظوں سے نہیں سوچتی تھی۔ اب وہ خوابوں والا گھڑ سوار تھا۔

تبدیلی اس لمحے رونما ہوئی، جب اس نے اس کے پاس ریچھ کو کھڑا دیکھا تھا اور ریچھ سے نمٹا تھا۔ اس کے بعد وہ بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔ اب وہ اس کا یوں خیال رکھ رہا تھا، جیسے وہ کوئی چھوٹی سی نازک سی بچی ہو۔ بارش تو پہلے ہی سر پر تلی کھڑی تھی۔ مگر پہلے اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی اور اب دیکھتے ہی دیکھتے بے وسیلہ ہونے کے باوجود اس نے اس کے لیے ایک گھر سا بنا دیا تھا۔ ہاں وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ یہ اہتمام اس کے لیے ہی تھا۔

گل نے پہلی بار اسے عورت کی نظر سے دیکھا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ بے حد وجیہہ اور پرکشش مرد تھا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ اس کی مہربانی اور نرمی اس کی وجاہت میں اضافہ کرتی تھی۔ گل کے لیے اس کی کشش یوں اور زیادہ تھی کہ وہ تسلسل سے اس کا خواب دیکھتی رہی تھی...... اور آنے والے وقت نے بدترین اور نہایت مشکل...... بلکہ ناممکن صورتِ حال میں ثابت کر دیا کہ اس کا خواب محض خواب نہیں تھا، بلکہ اطلاع تھی۔ خواب لفظ بہ لفظ سچا ثابت ہوا تھا۔

بندھے رہنے کی اذیت سے چھٹکارا ملا اور چوٹوں کی تکلیف کم ہوئی تو گل کو ایک حیا بار خیال ستانے لگا۔ اپنی برہنگی کا خیال۔ اس کی قمیص تو ستر پوشی کے قابل نہیں رہی تھی۔ جسم اس کمبل سے چھپا ہوا تھا، جو شیر دست نے قمیص پھٹتے ہی اس کے جسم پر ڈال دیا تھا۔ مگر اب اس

سے کام تو نہیں چل سکتا تھا۔

اب اس نے خود کو اشاروں کا پابند کرلیا تھا۔اس نے اشاروں سے گھڑ سوار کو سمجھانے کی کوشش کہ اسے تن ڈھانپنے کے لیے قمیص چاہیے۔مگر وہ سمجھ نہیں رہا تھا۔تنگ آ کر اس نے جھٹکے سے قمیص پھاڑنے کا منظر اشاروں میں پیش کیا۔اس پر وہ شرمندہ نظر آنے لگا اور نظریں جھکالیں۔اب گل نے اس کی قمیص تھام کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔اس وقت وہ اس کے اس قدر نزدیک تھی کہ اس کے دل کی دھڑکن بھی سن سکتی تھی۔اسے حجاب آنے لگا۔

بالآخر وہ اس کی بات سمجھ گیا۔مگر شرمندہ وہ اب بھی تھا۔ بہرحال وہ اپنے گھوڑے کی طرف گیا اور اپنی قمیص لے آیا۔شاید تن کے کپڑوں کے سوا اس کے پاس وہی قمیص تھی۔گل نے باہر جانے کا اشارہ کیا۔وہ چلا گیا۔گل نے اپنی پھٹی ہوئی قمیص اتار کر اس کی قمیص پہن لی لیکن وہ اس کے بدن میں بہت زیادہ ڈھیلی تھی اور لٹکی لٹکی نظر آرہی تھی۔

وہ باہر آ گئی۔گھڑ سوار اپنے گھوڑے کے پاس کھڑا تھا۔اس کی آہٹ سن کر وہ پلٹا۔ لیکن اسے دیکھتے ہی ہنسنے لگا۔ وہ اتنا ہنسا کہ بے حال ہو گیا۔گل کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اس نے گل کے چہرے پر خفگی کا تاثر دیکھا تو جلدی سے بولا ''تھوڑی دور چل سکتی ہو؟''

گل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اسے چشمے پر لے گیا اور چشمے کے شفاف پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''ذرا خود کو دیکھو......اس پانی میں۔''

گل نے پانی میں اپنے عکس کو دیکھا۔اسے ہنسی آ گئی

اس کی قمیص میں وہ بے حد مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔چند لمحے بعد وہ دونوں ہنس رہے تھے۔وہ ہنستے رہے۔یہاں تک کہ ان کے پیٹ میں بل پڑ گئے

وہ پیٹ پکڑ کر بیٹھنے اور ہنسی روکنے کی کوشش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اس قمیص نے ان کے درمیان موجود کشیدگی اور فاصلے کو بہت بڑی حد تک کم کر دیا تھا۔

سب کچھ تھا۔مگر اب بھی اچانک ایک ایسا لمحہ آجاتا تھا،جس میں گل خود بخود اس کے لیے نفرت محسوس کرتی تھی۔اس اچانک آجانے والے لمحے پر اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔

✿ ✿ ✿

شیر دست نے جلدی جلدی گوشت تیار کیا۔اس بار دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔شیر دست خوش تھا۔کیونکہ لڑکی نے نہ صرف اپنے ہاتھ سے کھانا کھایا تھا بلکہ رغبت سے

کھایا تھا۔کھانے کے بعد انہوں نے باری باری چھاگل سے پانی پیا۔

بارش اب تک نہیں ہوئی تھی مگر موسم سرد ہوگیا تھا۔شیر دست کی بنائی ہوئی پناہ گاہ کی افادیت بھی سامنے آ گئی تھی۔اندر کا ماحول کافی گرم تھا۔

شیر دست نے لڑکی کا ہاتھ چھو کر دیکھا۔وہ برف کی طرف سرد اور سفید ہو رہا تھا۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ تھام کر دھیرے دھیرے اس کی مالش شروع کردی۔اس دوران وہ اس کے چہرے اور گردن کی سوجن کو تشویش سے دیکھتا رہا۔

لڑکی کے ہاتھ قدرے گرم ہو چکے تھے۔شیر دست نے اٹھ کر ایک دیگچی میں پانی لیا،اس میں تھوڑا سا نمک ملایا اور پانی کو گرم کرنے کے لیے رکھ دیا۔پانی گرم ہوگیا تو اس نے لڑکی کی اتاری ہوئی دریدہ قمیص کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر لڑکی کی گردن اور رخساروں کی سکائی کرتا رہا۔سوجن قدرے کم ہوگئی۔

''تم اس طرح سکائی کرتی رہو'' اس نے لڑکی کو ہدایت کی۔پھر وہ قہوہ بنانے میں مصروف ہوگیا۔اس کے پاس ایک ہی بڑا مگ تھا۔اس میں قہوہ لے کر وہ لڑکی کے پاس جا بیٹھا، جواب سنکائی کر رہی تھی۔دونوں باری باری قہوے کے گھونٹ لیتے رہے۔پھر شیر دست نے چلم جلائی اور مزے سے کش لینے لگا۔لڑکی چپکے چپکے اسے دیکھے جارہی تھی۔

رات کو بھی انہوں نے ہرن کا بچا ہوا گوشت کھایا۔گوشت اب بھی اتنا تھا کہ ناشتے میں بھی گزارہ ہو جاتا۔سب کچھ ہوا مگر وہ نہیں ہوا۔جس کے لیے انہوں نے تیاری کی تھی۔یعنی بارش! گھٹا بھی نہیں کھلی تھی۔مگر بوند تک نہیں گری تھی۔

لڑکی نمک ملے گرم پانی سے سکائی کرتی رہی تھی۔اس کے نتیجے میں اس کی سوجن تقریباً ختم ہوگئی تھی اور ڈھنگ کا کھانا کھانے کے نتیجے میں اس کے چہرے پر رنگ دوڑنے لگا تھا۔

اس رات شیر دست کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔لڑکی آزاد تھی۔شیر دست اپنی دشمنی سے دست بردار ہوگیا تھا لیکن لڑکی کے بارے میں وہ نہیں کہہ سکتا تھا۔اس کے نزدیک تو وہ اس کے باپ اور بھائی کا قاتل ہی ہوگا۔وہ تو بدلہ لینا چاہے گی۔

وہ ٹھیک سے سو نہیں سکا۔اسے خدشہ تھا کہ لڑکی اٹھے گی، ریوالور پکڑے گی اور اسے گولی مار دے گی۔لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔صبح کاذب کے وقت وہ خود بھی سو گیا۔مگر خواب میں بھی لڑکی کو انتقام پر مائل دیکھتا رہا۔

دوسری صبح ان کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا۔ دھوپ بھی نکل آئی تھی۔ اگرچہ پھیکی پھیکی تھی۔ گھٹا اب بھی موجود تھی لیکن اس کی چادر میں جابجا سوراخ ہو گئے تھے۔ جن سے دھوپ نے راستہ بنالیا تھا۔

شیردست نے مسکرا کر لڑکی کو دیکھا۔ وہ بھی اسی وقت بیدار ہوئی تھی۔ لڑکی بھی مسکرا دی۔ وہ پہلی بار مسکرائی تھی۔ خوشی کے ایک انوکھے احساس نے شیردست کے دل میں پھول کھلا دیے۔ مسکراتے ہوئے لڑکی کے صبیح رخساروں میں ننھے ننھے گڑھے پڑ گئے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ لڑکی ہمیشہ یوں ہی مسکراتی رہے۔

شیردست نے بستر سے اٹھ کر جوتے پہن لیے۔ لڑکی بدستور لیٹی رہی۔ اس کے انداز سے ابھی تک نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔ شیردست نے چاقو پیٹی میں اڑسا، ریوالور جیب میں رکھا۔ بندوق اور چھاگل اٹھا کر پناہ گاہ سے باہر نکل آیا۔ چشمے پر پہنچ کر اس نے منہ دھویا۔ پانی اتنا سرد تھا کہ اسے اپنا چہرہ سن ہوتا محسوس ہوا۔ چھاگل میں پانی بھر کر وہ اپنی پناہ گاہ میں واپس آ گیا۔ لڑکی اسی انداز میں لیٹی رہی۔

شیردست نے لکڑیاں جلا کر نیا الاؤ روشن کیا۔ وہ گزشتہ روز کا بچا ہوا گوشت گرم کرنے لگا۔ لڑکی اٹھی اور باہر چلی گئی۔ وہ واپس آئی تو اس کے چہرے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ منہ دھو آئی تھی۔

دونوں نے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کیا۔ اس دوران گھٹا پوری طرح چھا چکی تھی۔ دھوپ غائب ہو گئی تھی۔ شیردست نے نمک ملا کر پانی لڑکی کو لا کر دیا۔ وہ پھر سکائی کرنے لگی۔

اب حبس ہو گیا تھا۔ ہوا بالکل ٹھہر گئی تھی۔ ان کے چہروں پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔

شیردست لڑکی سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اسے اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ اس کی بات سمجھے گی یا نہیں۔ اسے تو بس دل کا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔

''تم ٹونگا قبیلے کی وحشی لڑکی تو کہیں سے نہیں لگتیں۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ وہ لڑکی کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے لڑکی کو چونکتے دیکھا ''میرے ہاتھوں مرنے والے تمہارے باپ اور بھائی تھے، ہے نا؟''

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم سوچ رہی ہو گی کہ میں نے انہیں کیوں مارا؟'' شیردست نے اپنی بات جاری

رکھی ''میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی خون نہیں بہایا تھا۔'' لڑکی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

''شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ٹونگا (قبائل) کے لوگوں نے میرا گھر تباہ کر دیا۔ انہوں نے میرے ماں باپ، چچی، چچا اور میری بہن اور میری منگیتر کو بے رحمی سے قتل کر دیا۔ میری بہن اور منگیتر کی عزت بھی لوٹی گئی۔ وہ ہمارے مویشی بھی لے گئے۔ میں پھر بھی انتقام سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر میرے چچازاد بھائی نے کہا کہ انتقام ہم پر فرض ہے۔ میں نیم دلی سے نکل آیا۔ تمہارے علاقے میں پہنچ گیا۔ مگر جب میں نے تم لوگوں کو دیکھا تو میرے اندر انتقام کی آگ اتنی شدت سے بھڑکی کہ مجھے خود پر قابو نہیں رہا۔ مجھے ہوش ہی نہیں رہا۔'' وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے گہری گہری سانسیں لیں ''لیکن یقین کرو، تمہارے ساتھ جو کچھ میں نے کیا، وہ سب تمہارے لوگوں نے میری بہن اور منگیتر کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے تو وہ بھی کیا تھا، جو میں نے تمہارے ساتھ نہیں کیا۔'' یہ کہتے کہتے شیردست کی نظریں جھک گئیں۔

اس نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا، لڑکی شدت سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ پتا نہیں، اس کا کیا مطلب تھا۔

''میں نے تمہارے باپ اور بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا، مجھے اس پر افسوس نہیں۔ ہاں، میں تم سے شرمندہ ہوں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔''

اچانک شروع ہو جانے والی بارش نے ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ بارش بہت تیز تھی۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی شیردست پناہ گاہ سے نکل کر اس طرف دوڑ پڑا جہاں اس نے گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑا تھا۔ دونوں گھوڑوں کی لگامیں تھام کر وہ انہیں اپنی پناہ گاہ کے قریب اسی چھتنار درخت تک لے آیا، جس کے پتوں نے چھت کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ گھوڑوں کو اس درخت سے باندھ کر وہ واپس اپنی پناہ گاہ میں رینگ آیا۔ لڑکی کے برابر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے بھیگے ہوئے ریوالور کو کپڑے سے پونچھ کر اسے کمبل کے نیچے رکھ لیا۔

پناہ گاہ کی فضا گرم اور خوش گوار تھی۔ تپتی زمین سے اٹھنے والی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو روح کو معطر کر رہی تھی۔ شیردست نیم دراز ہو کر لڑکی کو خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

لڑکی اٹھی اور پناہ گاہ سے نکل گئی۔ وہ آسمان کی طرف منہ کر کے تیز بارش کو بچوں کی سی معصومیت سے دیکھتی رہی اور خوش ہوتی رہی۔ پھر وہ بھیگتی بھیگتی شیردست کی

نظروں سے اوجھل ہوگئی۔شیر دست اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

کچھ دیر بعد لڑکی واپس آ گئی۔وہ الاؤ کے پاس کھڑے ہو کر کپڑے سکھانے کی کوشش کرتی رہی۔شیر دست اسے غور سے دیکھتا رہا۔اس کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس کی قمیص میں وہ جتنی مضحکہ خیز لگ رہی تھی،اب اس سے کہیں زیادہ قیامت خیز لگ رہی ہے۔

لڑکی اندر آئی تو اس نے اس کے جسم پر کمبل ڈال دیا''تمہیں احتیاط کرنی چاہیے۔'' اس نے کہا''یہ بارش بیمار بھی کرسکتی ہے۔کم از کم پہلی بارش میں نہیں نہانا چاہیے۔''

شیر دست اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے بندوق اٹھائی اور ریوالور کمبل کے نیچے سے نکال کر جیب میں رکھ لیا''میں شکار کی تلاش میں جارہا ہوں۔''اس نے کہا۔

لڑکی نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔پھر خوش دلی سے مسکرادی۔

شیر دست نے ایک کمبل تہ کر کے تکیہ سا بنا دیا''تم آرام کرو۔تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''شیر دست نے کہا۔

لڑکی نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

شیر دست باہر نکلا اور اس درخت کی طرف بڑھ گیا،جس سے اس نے گھوڑے باندھے تھے۔

✿ ✿ ✿

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز معدوم ہوگئی تو گل اٹھ بیٹھی۔اسے بہت کچھ سوچنا تھا اور بہت تیزی سے سوچنا تھا۔

تمام گرہیں کھل گئی تھیں۔معما حل ہوگیا تھا۔گھڑ سوار کے منہ سے ٹونگا قبائل کا نام سنتے ہی اسے یاد آ گیا تھا کہ ٹونگا قبائل کا حوالہ اس نے پہلے بھی دیا تھا......اور بڑی نفرت سے دیا تھا۔اس نے اسے ٹونگا قبائل کا علاقہ قرار دیا تھا اور اسے،بابا اور بھائی کو ٹونگا قبائلی ہی سمجھ رہا تھا۔

دشواری یہ تھی کہ گل نے کبھی ٹونگا قبائل کا نام نہیں سنا تھا۔اس علاقے سے قریب ترین بستی صرف ان کی بستی تھی،جس کے سردار کبھی بابا تھے۔مگر اب عجائب خان سردار بن بیٹھا تھا۔یہ ٹونگا قبائل کون تھے اور کہاں رہتے تھے،جس نے اس اجنبی گھڑ سوار پر قیامت توڑ دی تھی۔اسے اس بری طرح لوٹا تھا کہ اس جیسے نرم خو آدمی میں درندگی بیدار کردی تھی۔وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اس نے کبھی ٹونگا قبائل کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

تو یہ سب کچھ غلط فہمی میں ہوا تھا۔گھڑ سوار نے دھوکے میں بابا اور بھائی کو مار دیا تھا اور اس کے ساتھ زیادتیاں بھی دھوکے میں ہی کی تھیں۔ورنہ وہ ایسا نہیں ہے......

''تو کیا یہ جواز ہے کسی کو قتل کر دینے کا......کسی پر ظلم کرنے کا؟''اس کے اندر سے کسی نے کہا۔

''یہ غلط فہمی ہے۔یہ تقدیر ہے۔''وہ بڑبڑائی۔موت کا ایک وقت اور حیلہ مقرر ہے۔وہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

''لیکن قاتل کے لیے دنیا اور آخرت میں شدید ترین عذاب بھی اللہ نے ہی مقرر کیا ہے۔''اندر کی آواز نے کہا۔

''میں اسے قصوروار نہیں سمجھتی۔''اس نے دبی آواز میں کہا''وہ ایسا ہوتا تو میرے لیے نرم کیسے ہوجاتا۔''

''وہ قصوروار نہیں۔''اندر کی آواز پھنکار بن گئی۔''وہ کس قسم کا آدمی ہے۔انتقام لینے نکلا ہے اور کسی پر بھی گولی چلانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔تصدیق بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ اس کا ہدف اس کے انتقام کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔یہ تو بے رحمی کی آخری حد کو پہنچی ہوئی غیر ذمے داری ہے۔''

''مگر وہ ایسا نہیں ہے۔''وہ کمزور آواز میں منمنائی۔

''صرف اس لیے کہ تمہیں وہ اپنے خوابوں کا شہزادہ لگتا ہے۔تم اس سے محبت کرتی ہو۔اس کے باوجود کہ وہ تمہارے بابا اور بھائی کا قاتل ہے اور تم یہ بات بھول جانا چاہتی ہو۔''

''وہ واقعی میرے خوابوں کا شہزادہ ہے۔دیکھ لو میرا خواب کیسا سچا ثابت ہوا ہے۔اس نے مجھے ریچھ سے بچایا یا نہیں......اور جو کچھ ہوا،وہ غلط فہمی میں ہوا۔اس پر وہ سزا کا مستحق تو نہیں ٹھہرتا۔میرا دنیا میں اب اس کے سوا کون ہے۔''

اس بار اندر کی آواز نے کوئی جواب نہیں دیا۔

گل مسکرائی۔سچ ہمیشہ موثر ثابت ہوتا ہے اور سچ خواب نے ثابت کر دیا تھا۔اس نے گھڑ سوار کے بنائے ہوئے تکیے پر سر رکھا اور لیٹ گئی۔اسے یاد تھا کہ اس کے پاس بابا کی ایک امانت ہے۔وہ خط جو کسی طرح خان دلاور تک پہنچانا ہے۔اس نے وہ خط کمبل کے نیچے رکھ دیا تھا۔

اس کے بعد تکیے سے سر ٹکا کر وہ گھڑ سوار کے محبت بھرے خوابوں میں کھو گئی!

✿ ✿ ✿

گھوڑے کی پشت پر بیٹھے شکار کی تلاش میں جنگل میں گھومتے گھومتے دوپہر ہوگئی لیکن شکار نہیں مل سکا۔شاید اس نے صبح کا وقت گنوا کر بدترین غلطی کی تھی۔یہ دیر تک سونے کی سزا تھی۔بھٹکتے بھٹکتے سہ پہر ہوگئی۔اسے بے نیل و مرام واپس آنا پڑا۔

واپسی کے سفر میں اسے دو پہاڑی بکرے نظر آئے۔لیکن وہ اسے دیکھ کر دور سے بھاگ گئے۔کچھ آگے بڑھ کر اسے تین پہاڑی بکرے اور نظر آئے۔اپنے گھوڑے کو دور کھڑا کر کے وہ بندوق سنبھالے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگا۔خوش قسمتی سے ہوا کا رخ شیر دست کی مخالف سمت میں تھا۔مناسب فاصلے سے اس نے نشانہ لیا اور گولی چلادی۔ایک پہاڑی بکرا گر کر تڑپنے لگا۔باقی دونوں بھاگ گئے۔بہرحال ایک بھی غنیمت تھا۔اس نے قریب پہنچ کر بکرے کو ذبح کیا اور اسے گھوڑے کی پشت پر لاد کر اپنی پناہ گاہ کی طرف چل دیا۔

لڑکی اب بھی لیٹی ہوئی تھی۔شیر دست کو دیکھ کر وہ اٹھ گئی لیکن شیر دست کو یہ دیکھ کر حیرت آمیز خوشی ہوئی کہ وہ پورا دن لیٹی نہیں رہی تھی۔اس نے ساری خشک لکڑیاں الاؤ کے قریب جمع کردی تھیں۔اس نے الاؤ کو بجھنے نہیں دیا تھا۔اس وقت وہ بے حد شگفتہ اور تروتازہ دکھائی دے رہی تھی۔شیر دست نے احساس تفاخر کے ساتھ بکرے کو الاؤ کے پاس ڈھیر کردیا۔

اسی لمحے...... ایک جھاڑی کی اوٹ سے شیر دست کو وہ کتا جھانکتا نظر آیا، جو اپنی مالکن کا پیچھا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔شیر دست نے زوردار آواز میں کتے کو ہشکارا۔کتا سہم کر بھاگ گیا۔شیر دست گھوڑے کو باندھنے کے لیے چلا گیا۔

وہ گھوڑے کو درخت سے باندھ کر واپس آیا تو لڑکی بکرے پر جھکی ہوئی تھی۔وہ بھی وہیں بیٹھ گیا اور چاقو کی مدد سے بکرے کی کھال اتارنے لگا۔لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر چاقو اس سے لے لیا۔پھر وہ بڑی مہارت سے بکرے کی کھال اُتارنے لگی۔

شیر دست حیرت اور خوشی سے اسے دیکھتا رہا۔مدت کے بعد اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے گھر لوٹ آیا ہے۔اس احساس کے ساتھ ہی اسے شدید تھکن نے آلیا اور وہ وہیں درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور دلچسپی سے لڑکی کو کام کرتے دیکھتا رہا۔

لڑکی نے بکرے کی تمام آلائشات ایک طرف ڈھیر کردیں۔گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کرنے کے بعد اس نے چاقو شیر دست کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے اشارے سے آلائشات دفن کرنے کو کہا۔شیر دست نے آلائشات زمین میں دبا کر واپس آیا تو لڑکی گوشت بھوننے میں مصروف تھی۔اس کا انداز ایسا ہی تھا، جیسے وہ اپنے گھر کے باورچی خانے

میں کام کر رہی ہے۔

شیر دست پناہ گاہ میں چلا گیا اور لیٹ گیا۔وہ بے حد تھکن محسوس کر رہا تھا۔پاؤں پھیلا کر لیٹے ہوئے لڑکی کو دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔لڑکی بھی کبھی سر اٹھا کر اسے دیکھتی اور مسکرا دیتی۔شیر دست کو وہ جگہ گھر لگنے لگی۔شکار سے تھک کر آیا ہوا مرد آرام کر رہا تھا اور عورت اپنے حصے کا کام کر رہی تھی۔

انہوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔شیر دست کو احساس ہوا جس کا کام اسی کو ساجھے۔عورت کا محض ہاتھ لگ جانے سے بھی کھانے میں لذت بڑھ جاتی ہے۔اس کا جذبۂ انتقام نجانے کہاں جا سویا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ کچھ دیر ٹہلتے رہے۔دونوں کے انداز میں طمانیت تھی۔وہ خاموشی کی ڈور سے بندھے قدم قدم چل رہے تھے۔وہ خاموشی کے باوجود ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔دل ہی دونوں کہہ رہے تھے، دل ہی سن رہے تھے۔

وہ بستر پر آ لیٹے اور دونوں نے کمبل اوڑھ لیے۔دھیرے دھیرے سرکتی ہوئی رات لحہ بہ لحہ سرد ہوتی جا رہی تھی۔الاؤ کی تپش پناہ گاہ کو پوری طرح گرم رکھنے میں ناکام ہو رہی تھی۔وہ کمبلوں میں دُبکے ہوئے تھے۔

اس رات شیر دست خواب میں ان گنت خوب صورت وادیوں میں گھومتا پھرا۔اس نے بے حد حسین اور مہکتے ہوئے پھول دیکھے۔لیکن کوئی بھی پھول اس بے نام گونگی لڑکی سے بڑھ کر نہیں تھا...... نہ حسن میں، نہ خوشبو میں۔

✿ ✿ ✿

وہ منہ اندھیرے بیدار ہوگیا اور کمبل سے منہ نکال کر ستاروں بھرے آسمان کو پر شوق نگاہوں سے تکنے لگا۔اس کی دُنیا ہی بدل چکی تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر محبت بھری نرمی سے لڑکی کے ہاتھ کو چھوا جیسے یقین کرنا چاہتا ہو کہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔اسے حیرت تھی کہ لڑکی کس قدر اعتماد سے سو رہی ہے۔جیسے اسے یقین ہو کہ اب وہ اس کا محافظ ہے اور وہ جانتی ہو کہ جو محافظ ہو، وہ لیٹرے نہیں ہوتے۔

کچھ دیر بعد آسمان کے روشن چراغ ایک ایک کر کے بجھنے لگے۔جھٹ پٹا نمودار ہوا۔وہ کمبل میں سمٹا ہوا بدلتی رُتوں اور وقت کے بدلتے لمحوں سے آشنا ہوتا رہا۔یہ زندگی تھی...... اور بے حد خوبصورت تھی۔اس کی خوب صورتی انتقام کی بدصورتی پر حاوی آنے والی تھی۔

مشرقی افق پر سورج کی ولادت سے قبل کی سرخی نمودار ہوئی۔ وہ حیرت سے دیکھتا رہا۔ بہت خوب صورت شفق پھوٹی تھی۔ پھر پرندوں نے الوہی آفاقی نغمے چھیڑ دیے۔ ذرا دیر بعد سورج نے اپنی زرد نگاہوں سے زمین کے چہرے کو گدگدانا شروع کر دیا۔

لڑکی بھی بیدار ہوگئی۔ شیر دست کو دیکھ کر اس کے پاکیزہ اور معصوم چہرے پر جو سرخی جھلکی، اس نے شیر دست کے ذہن سے کچھ دیر پہلے نظر آنے والی شفق کی خوب صورتی کو دھو ڈالا۔ اس کی روح تک تازہ ہوگئی۔

بیدار ہونے کے بعد لڑکی نے چشمے کا رُخ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کا چہرہ کسی ایسے گلاب کی طرح تر و تازہ اور شگفتہ معلوم ہو رہا تھا، جسے رات بھر شبنم نے بھگویا ہو۔ وہ فوراً ہی کسی خانہ دار عورت کی طرح کام میں مصروف ہوگئی۔ شیر دست کسی کاہل اور آرام طلب شوہر کی طرح کمبل اوڑھے لیٹا رہا۔

لڑکی برتن اور چھاگل میں پانی بھر لائی تھی۔ خشک لکڑیاں ڈال کر اس نے دم توڑتے الاؤ کو تازہ کیا۔ پھر اس نے شیر دست کے تھیلے سے قہوہ کا سامان نکالا۔ پانی چڑھانے کے بعد اس نے بچے کچے گوشت کے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی لیکن تھیلے سے نکلنے والا چاقو اس حد تک کام کا نہیں تھا۔ وہ شیر دست کے پاس آئی اور اشارے سے اس کا چاقو طلب کیا۔ شیر دست نے چاقو دیتے ہوئے لمحے بھر کو ہچکچایا۔ لڑکی اس کی ہچکچاہٹ محسوس کر کے مسکرا دی لیکن اس نے اپنا ہاتھ واپس نہیں کھینچا۔ شیر دست نے سرہانے سے چاقو نکال کر اسے تھما دیا۔ وہ چاقو لے کر خاموشی سے الاؤ کی طرف چلی گئی۔

شیر دست بھی اٹھ گیا۔ وہ چشمے کی طرف چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو لڑکی نے چاقو اس کی بڑھا دیا۔ وہ گوشت کے ٹکڑے بھون چکی تھی۔ لیکن اس نے اب بھی گوشت بچا لیا تھا۔ اس نے گوشت کے علاوہ مکئی کے بھنے ہوئے دانے بھی تھیلے سے نکال لیے تھے۔ قہوہ بھی تیار ہو چکا تھا۔

شیر دست نے بچائے ہوئے گوشت کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی سوالیہ نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر لڑکی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں گہرے سیاہ بادل پھر جمع ہو رہے تھے۔ آسمان کھلا نہیں تھا۔

شیر دست مسکرا دیا۔ قدرت نے عورت کو ایسا ہی بنایا ہے کہ وہ آنے والے کل کی فکر ضرور کرتی ہے۔ لڑکی نے موسم کے تیور دیکھتے ہوئے گوشت بچانا ضروری سمجھا تھا۔ وہ اس

وقت گرہستن لگ رہی تھی۔

انہوں نے خاموشی سے ناشتا کیا اور مگ سے باری باری قہوہ پیا۔ لڑکی کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔ شیر دست اسے غور سے دیکھتا رہا......

گل اس صبح بہت خوش تھی!

خوابوں کا شہزادہ سچ مچ خوابوں کا شہزدہ ہی ثابت ہوا تھا۔ وہ پوری رات اس کے برابر لیٹی بے خبر سوتی رہی۔ مگر سوتے میں بھی اس کا ہاتھ اس کے جسم سے مس نہیں ہوا تھا۔

خوش تو وہ گزشتہ دوپہر سے تھی، جب وہ شکار کے لیے نکلا تھا اور اس کی خود سے بحث ہوتی رہی تھی۔ انجام کار اس کا دل جیت گیا تھا۔ دل کی اس فتح نے اسے پوری طرح تبدیل کر دیا تھا۔ اس نے اٹھ کر یوں کام کیے، جیسے اپنے گھر میں کرتی تھی۔ موسم ایسا تھا کہ کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔ وہ اس موسم میں خشک لکڑیوں کی ضرورت اور اہمیت سے خوب واقف تھی۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے وہ اتنی لکڑیاں جمع کر چکی تھی کہ ان سے با آسانی تین دن گزارہ ہو سکتا تھا پھر وہ اپنے جبڑے اور گردن کی سکائی کرتی رہی تھی۔

اس موسم میں گل کو اُمید نہیں تھی کہ وہ شکار لا سکے گا لیکن گھڑ سوار خالی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ اس نے بڑے فخر سے وہ ذبح کیا ہوا پہاڑی بکرا الاؤ کے پاس ڈال دیا۔ وہ بہت خوش لگ رہا تھا لیکن گل نے دیکھ لیا کہ وہ بہت تھکا ہوا ہے۔ اسی لمحے سے اس نے اس کا ہاتھ بٹانے کی ٹھان لی۔

اس نے بکرے کی کھال اُتاری، گوشت کے ٹکڑے کیے اور گوشت بھونا۔ وہ حیرت آمیز مسرت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ خوش ہوا تھا۔

اور گل خود بھی حیران تھی کہ کیسی بے فکری سے وہ اس کے پاس سو گئی...... اور وہ اس کے اعتماد پر پورا اُترا۔

صبح گل بیدار ہوئی تو وہ پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ گل بستر سے نکلی اور کاموں میں مصروف ہوگئی۔ اسے کام کرنے میں لطف آ رہا تھا۔ پھر اسے چاقو کی ضرورت پڑی۔ اس نے اشارے سے چاقو مانگا۔ وہ ہچکچایا لیکن اس نے چاقو اس کی طرف بڑھا دیا۔ گل مسکرائی۔ وہ اس سے خوف زدہ تھا۔ سوچتا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ اس پر وار کرے گی۔

گل نے کام کر کے چاقو واپس کر دیا۔ مگر ناشتا کرتے ہوئے وہ اس کی ہچکچاہٹ

کے بارے میں سوچتی رہی۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ ایسا نہیں کہ آسانی سے بھلایا جا سکتا۔ خود اس کا اپنا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ گزشتہ روز اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی ایسا لمحہ بھی آ جاتا تھا، جس کے اسے تصور میں اپنے بابا اور بھائی کی موت کا منظر نظر آتا۔ اس لمحے وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتی۔

لیکن وہ جانتی تھی کہ کبھی نہ کبھی زخم بھر جائے گا۔ ہر زخم بھر جاتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ مسکرا دی۔

✿ ✿ ✿

وہ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ شیر دست کو گھوڑوں کا خیال آ گیا۔ وہ جھپٹ کر اٹھ رہا تھا کہ لڑکی نے اس کے کندھوں پر زور ڈال کر اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے اشاروں میں بتایا کہ وہ گھوڑوں کو گھاس بھی ڈال چکی ہے اور اپنے اسی مخصوص درخت کے ساتھ بندھے کھڑے ہیں۔

شیر دست خاموش بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں آسمان سے برستی بوچھاروں پر جمی ہوئی تھیں۔ مگر وہ درحقیقت کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ باہر بارش رم جھم رم جھم زمین پر، درختوں پر، چشمے پر ناچ رہی تھی...... گیت گا رہی تھی۔ اندر وہ بارش شیر دست کے دل میں کچھ اچھوتے احساس جگا رہی تھی۔

شیر دست کو اس دن پتا چلا کہ وہ جسمانی طور پر کڑیل جوان سہی، فطرت کے سامنے کسی چھوٹے سے بچے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس صبح فطرت اسے بہت کچھ سکھا رہی تھی۔ وہ خود اپنے بارے میں نئی نئی باتیں جان رہا تھا۔ جن محسوسات سے وہ آج روشناس ہو رہا تھا، وہ اس کے لیے بالکل ہی اجنبی نہیں تھے۔ بس اسے یوں لگتا تھا، جیسے وہ برسوں سے اس کے وجود میں موجود تو رہے تھے لیکن وہ اس سے بے خبر رہا تھا۔ خود پر اس طرح منکشف ہونے میں اسے لذت سی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اپنی پناہ گاہ میں سے بادلوں کو برستے ہوئے دیکھتا رہا۔ آسمان سے اُترتی ہوئی اس شفاف سفید چادر کے پس منظر میں جذبات و محسوسات کے طلسم کدے کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ موسموں کا پروردہ تھا۔ موسموں کے تیور خوب پہچانتا تھا۔ وہ نگر نگر گھومنے والا آوارہ گرد تھا لیکن آج اسے پتا چل رہا تھا کہ انسان کے باطن میں ایک وسیع تر کائنات چھپی ہوتی ہے اور باطن کے موسم زیادہ تند و تیز بھی ہوتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ اسے بارہا

ہو چکا تھا لیکن ادراک نہیں ہوا تھا۔

اب انجانے جذبے شیر دست کو پکار رہے تھے اور اس کا ناآشنا ذہن لفظ محبت کی تکرار کیے جا رہا تھا۔

اظہار کیا ہے؟ صرف جذبے کی شدت کو کم کرنے کا ایک وسیلہ! بعض جذبے اتنے شدید ہوتے ہیں کہ اگر اظہار ان کی شدت کو کم نہ کر دے تو شاید وہ انسان کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیں۔ وجہ یہ ہے کہ اظہارِ قوت عمل کو دھیما کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظوں کے ذریعے اظہار کرنے والے عملاً اس قدر شدید نہیں ہوتے۔ وہ لوگ بے حد عملی ہوتے ہیں، جن کے لیے لفظوں میں اظہار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ان کی قوتِ عمل کی باگیں کھینچنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ عمل بھی اظہار کی ایک شکل ہے...... خوب صورت شکل...... بشرطیکہ اس کی تہذیب کی گئی ہو۔ شیر دست بھی اظہار کا گونگا تھا۔ اس نے اتنا کچھ محسوس کیا تھا...... اور بہت تھوڑی دیر میں محسوس کیا تھا، جتنا ساری زندگی محسوس نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کے پاس اظہار کے لیے ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ اس کے سینے میں پرشور، تند ہوائیں ناچ رہی تھیں اور اس کا وجود کسی ایسے سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا، جو کسی بھی وقت شاخ سے ٹوٹ سکتا ہو اور شاخ سے ٹوٹنے کے بعد پتا صرف ہواؤں کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے۔ اس پر ستم وہ ٹھنڈی ٹھنڈی بارش کی پھواریں، جن سے تپتی مہکتی دھیمی دھیمی آنچ آ رہی تھی، لیکن فطرت اس کے سرکش اور طاقت ور جذبے کی تہذیب کر رہی تھی۔

گونگی لڑکی حیرت اور محبت سے اس کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی...... اس کی آنکھوں میں جھانکے جا رہی تھی۔ وہ اسے بے حد پرکشش لگ رہا تھا۔ وہ خوب صورت ہے۔ لڑکی نے بلا ارادہ سوچا...... اور شرما گئی۔

✿ ✿ ✿

بارش تھم چکی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شیر دست کا باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ ایک بے حد خوبصورت خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ خواب ٹوٹے۔

اس نے سر گھمایا اور لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا، جو بڑی محویت سے اسے تک رہی تھی۔ اس کی محویت کے ساتھ لڑکی کی محویت بھی ٹوٹ گئی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' شیر دست نے لڑکی سے پوچھا۔

لڑکی کے ہونٹ نیم وا ہوئے۔ مگر اگلے ہی لمحے سختی سے بھنچ گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اس نے درختوں کی طرف اشارہ کیا اور اپنے ہاتھوں کو نتھنوں کے قریب لے جا کر سونگھنے لگی، شیر دست کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ لڑکی نے یہی عمل دو تین بار دُہرایا۔

اچانک شیر دست کو کچھ خیال آ گیا ''پھول...... پھول ہے تمہارا نام؟'' اس نے پوچھا۔

لڑکی نے نفی میں اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

شیر دست سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا ''گل؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

لڑکی بہت شدت سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''اچھا تو تم گل ہو۔ بہت خوب صورت نام ہے۔'' شیر دست نے ستائشی لہجے میں کہا۔

لڑکی نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور پھر سر جھکا لیا۔

''میر نام شیر دست ہے

''شیر دست نے کہا اور لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

نجانے کیا ہوا کہ لڑکی یک لخت خوف زدہ ہو کر سمٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں پرانی دہشت لوٹ آئی ایسا لگا کہ جیسے اس کی آنکھوں میں تشدد کے مناظر پھر گئے ہوں۔ شیر دست کو افسوس ہوا اور خود پر غصہ بھی آیا کہ اس نے ابتدا میں اس لڑکی کے ساتھ ایسا سنگ دلانہ سلوک کیوں کیا تھا۔

شیر دست نے زندگی انسانوں کے درمیان جاگتے ہوئے، ان کو برتتے ہوئے گزاری تھی۔ وہ جانتا تھا کہ انسان حالات، واقعات، جذبات اور احساسات کے محکوم ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت کوئی ردعمل ظاہر کر سکتے ہیں۔ ان کے کسی ردعمل کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ ان کے بارے میں توقعات اور کلیے ناکام ہو جاتے ہیں۔ گل کے اندازے سے اگرچہ محبت جھلکتی تھی لیکن شیر دست کو یاد تھا کہ اس نے لڑکی کے باپ اور بھائی کو ہلاک کیا تھا اور اسے اس پر کوئی شرمندگی بھی نہیں تھی۔ پھر اس نے خود گل پر بھی تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ لڑکی یہ سب کچھ کیسے بھلا سکتی تھی۔ ممکن ہے، وہ کسی منصوبے کے تحت عمل کر رہی ہو۔ وہ موقع ملنے پر اسے موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتی ہو۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکی نے بھی انتقام کو عبادت کا درجہ دینا سیکھا ہوگا۔

گل کا رویہ ایسا تھا، جیسے اس نے شیر دست کو معاف کر دیا ہو۔ جیسے وہ بھول گئی ہو کہ شیر دست نے اس کے باپ اور بھائی کو کیسے ہلاک کیا تھا۔ شیر دست نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے کم از کم تین بار آزمائشی مواقع دے گا۔ اگر وہ معتبر ثابت ہوئی تو وہ آنکھیں بند کر کے اس

پر اعتماد کرنے لگے گا۔ لیکن اگر وہ کامیاب نہیں ہوئی تو......؟ بہت سوچنے کے بعد بھی اسے اس سوال کا جواب نہیں مل سکا اور کچھ ہوا یا نہیں، اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ یہ خیال سوہانِ روح تھا کہ اتنی حسین رفاقت کے بعد وہ اسے دھوکا بھی دے سکتی ہے۔

بارش یوں برس رہی تھی، جیسے کبھی نہیں رُکے گی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن گل باہر نکل گئی۔ شاید اسے بارش میں بھیگنا زیادہ ہی اچھا لگتا تھا!

✿ ✿ ✿

گل کو برسات سے عشق تھا۔ وہ ہمیشہ اس موسم کی دیوانی تھیں۔ بارش ہوتی تو اس سے چھت کے نیچے رُکا ہی نہیں جاتا تھا۔ کئی بار وہ صرف بارش میں بھیگنے کے نتیجے میں بیمار ہوئی تھی۔

لیکن اس برسات کی بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ دُہری برسات تھی، اس نے تو بارش ہوتے دیکھی ہی نہیں۔ وہ تو شیر دست کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر، آنکھوں میں باہر ہونے والی بارش کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں، چہرے پر سارے رنگ محبت کے تھے۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ باہر ہونے والی بارش اس کے اندر بھی ہو رہی ہے۔

شیر دست نے کبھی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اظہار کا آدمی ہی نہیں ہے لیکن اس وقت وہ مجسم اظہار ہو گیا تھا۔ مگر جب اس نے اس کا نام جاننے اور اپنا نام بتانے کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ اضطراری طور پر سمٹ گئی، جیسے خوف زدہ ہو۔ حالانکہ اب وہ خوف زدہ بالکل نہیں تھی۔ اس کے اس ردعمل پر اس کے وجیہہ چہرے پر شرمندگی اور پھر درگزر کے رنگ پھیل گئے۔

وہ گل کے لیے دُہری برسات تھی۔ ایک برسات باہر ہو رہی تھی اور دوسری برسات شیر دست کے اندر کے موسم کو دیکھ کر اس کے اندر بھی شروع ہو گئی تھی۔

بعض بیج بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ انہیں فوراً ہی بارش کی نعمت میسر آ جاتی ہے اور ان کی نمو کا عمل بہت تیز ہوتا ہے۔ شیر دست کی کیفیت نے گل کے اندر اپنی محبت کا بیج پھینک دیا تھا اور اسی لمحے برسات ہو گئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ محبت ایک ایسے پودے کا روپ اختیار کر گئی تھی، جس کو زمین نے پوری طرح قبول کر لیا ہو۔ ایسے پودے، درخت بنے بغیر، پھول دیے بغیر کبھی نہیں مرتے۔

کچھ اپنی کیفیت چھپانے کے لیے اور کچھ بارش کے بلاوے پر کھنچی کھنچی وہ باہر چلی

گئی۔ گل نے الاؤ میں خشک لکڑیاں جھونک کر اسے خوب دہکایا۔ پھر وہ اپنے کپڑے سکھانے کے ساتھ ساتھ کھانے کا بندوبست کرنے لگی۔ گوشت کو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ جھڑی دو تین دن سے پہلے رکنے والی نہیں......اور اس دوران میں شکار ملنا بہت مشکل تھا۔

✿ ✿ ✿

شیر دست کئی دن سے بے آرام تھا۔ اس کی نیند پوری نہیں ہو رہی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اسے گل کی طرف سے چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اس پر اعتماد ہو جاتا تو وہ بے شک سکون سے سو سکتا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے گل کو پہلا آزمائشی موقع دینے کا فیصلہ کر لیا۔

بارش رک چکی تھی لیکن پہاڑی نالے کا بہاؤ بہت تند ہو چکا تھا۔ شیر دست نے تیاری کی اور اشارے سے گل کو بتایا کہ وہ شکار کے لیے جا رہا ہے۔

اس نے دوربین ساتھ لے لی تھی۔ کچھ فاصلے پر وہ ایک بلند مقام پر جا کر چھپ گیا۔ یہاں گل اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب کہ وہ گل پر پوری طرح نظر رکھ سکتا تھا۔ گل اگر فرار ہونا چاہتی تو یہ اس کے لیے بہت اچھا موقع تھا۔ اس کا گھوڑا قریب ہی بندھا ہوا تھا۔

لیکن گل نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ چھاگل میں پانی بھرنے کے لیے چشمے تک آئی اور چھاگل میں پانی بھر کے واپس چلی گئی۔

شیر دست کوئی ایک گھنٹا اس پر نظر رکھے رہا۔ مگر گل پناہ گاہ میں ہی رہی۔ شیر دست کو اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے سوچا، ممکن ہے گل کو نگرانی کا احساس ہو گیا ہو۔ دوسرا خیال اور خطرناک تھا۔ ممکن ہے، گل انتقام کی خاطر اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ فرار نہیں ہو سکتی تھی۔

شیر دست جنگل کی طرف چلا گیا۔ اس روز کوئی بکرا یا ہرن تو نہیں ملا لیکن ذائقہ بدلنے کو تین تیتر مل گئے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ پرندوں کا گوشت اسے بہت پسند تھا۔ وہ واپس آ کر پناہ گاہ میں نیم دراز تھا۔ گل پرندوں کے پر نوچنے اور گوشت صاف کرنے میں مصروف ہو گئی۔

گل نے پرندوں کے گوشت کو نمک لگا کر گویا محفوظ کر لیا اور رات کے پہاڑی بکرے کا بچا ہوا گوشت بھون لیا۔ وہ بہت کفایت شعار اور دور اندیش معلوم ہوتی تھی۔ کھانے کے بعد شیر دست نے اپنی چلم سلگا لی۔

اگلے روز موسم تبدیل ہو گیا۔ بارش کے بعد نکلنے والی دھوپ بہت کاٹ دار تھی۔ گرمی کا احساس ستانے لگا۔ شیر دست نے ندی پر جا کر نہانے کا فیصلہ کیا۔ گل کو اشارے سے

بتا کر وہ باہر نکل آیا۔ گل مسکرا دی تھی۔

گل کا دوسرا امتحان شروع ہو چکا تھا۔ شیر دست نے بندوق کچھ دور ایک درخت سے ٹکا کر کھڑی کر دی۔ بندوق گل کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ ریوالور کو شیر دست نے اپنے کپڑوں کے اوپر رکھ دیا۔ گل کے لیے رائفل تک پہنچنا دشوار نہیں تھا تو ریوالور شیر دست کی پہنچ کے بہت نزدیک تھا۔

وہ پانی میں غوطے لگاتا رہا۔ لیکن گل اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف رہی۔ شیر دست کو اس کی مصروفیت پر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ اس جنگل میں بھی گل نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے کام نکال لیے تھے۔ اس نے تمام چادریں اور کمبل درختوں پر پھیلا دیے۔ کیونکہ وہ سیل گئے تھے۔ پھر وہ بستر والی گھاس نکال لائی اور اسے باہر پھینک دیا۔ اب وہ تازہ گھاس جمع کر رہی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے یہ تکلیف دہ پڑاؤ اس کے لیے کسی چھوٹی سی جنت سے کم نہ ہو۔ کچھ دیر بعد وہ ندی کی طرف آئی۔ شیر دست چوکنا ہو گیا لیکن بظاہر وہ نہانے میں مصروف رہا۔ گل بندوق کے قریب سے گزرتی ہوئی ندی کے قریب آئی۔ اس نے جھک کر ٹھنڈے پانی سے منہ دھویا۔ شیر دست چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کھلکھلا کر ہنس دیا۔ گل بھی مسکرا دی اور واپس چلی گئی۔

شیر دست نہا کر واپس آیا تو وہ تازہ گھاس کے بستر پر چادریں بچھا رہی تھی۔

✿ ✿ ✿

اگلے روز انہوں نے پڑاؤ اُٹھا لیا اور جنوب کی طرف چل دیے۔ دن بھر وہ درختوں کی چھاؤں اور میدانوں کی کھلی دھوپ میں سفر کرتے اور شام کو مناسب سی جگہ دیکھ کر پڑاؤ ڈالتے۔ گل کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ شیر دست کی محبت اس کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی نگاہیں بھی اس کی محبت کو چھپا نہیں پاتی تھیں۔ اس محبت نے شیر دست کو مسحور کر کے رکھ دیا تھا۔

شیر دست کو احساس تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ نازک اندام گل بھی اب اس کی ذمے داری ہے۔ اب وہ سفر کو مشکل نہیں بنانا چاہتا تھا۔ ہر قدم پر اسے سہولتوں کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ وہ گل کو کم سے کم تکلیف دینا چاہتا تھا اور گھر پہنچ کر تو آرام ہی آرام ہوتا۔

صرف گل کی خاطر اس نے راستہ بدل لیا تھا۔ وہ پانی کے قریب رہتے ہوئے واپسی کا سفر کر رہا تھا۔ پانی ہی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ پانی کے قریب رہنے کا ایک فائدہ یہ

تھا کہ تقریباً ہر روز انہیں شکار مل جاتا تھا۔

شیر دست بالکل بدل چکا تھا۔ بنیادی طور پر وہ انتقام کا آدمی تھا ہی نہیں۔ پھر بھی روایات کی پاس داری کرتے ہوئے وہ کچھ دن ایسی وحشتوں کا اسیر رہا تھا، جن کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ مگر اب وہ ان سفلہ جذبات سے آگے نکل آیا تھا۔ اب اس کے سینے میں محبت کے گداز اور اس کے پیدا کردہ سکون کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اور یہ سکون اس کے مزاج سے مطابقت رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ وہ بہت خوش اور مطمئن تھا۔

لیکن اس تبدیلی کا نقصان بھی ہوا تھا۔ اب اسے خدشے ستانے لگے تھے۔ وہ سفر پر نکلا تو زندگی اور موت کے احساس سے بے نیاز تھا لیکن محبت نے اس کی زندگی کی قدر و قیمت سے روشناس کرادیا تھا۔ اب وہ بے خوف نہیں تھا...... بلکہ تحفظ کا طلب گار تھا۔ وہ بہت لمبی عمر جینا چاہتا تھا...... گل کے ساتھ، اس کی محبت کے سائے میں...... اب اسے اپنی اور گل کی حفاظت کرنی تھی۔

وہ سفر کرتے رہے۔ کبھی گوشت نہ ملتا تو جنگلی پھلوں پر گزارہ کرتے۔ دونوں بے حد خوش تھے۔ شیر دست فرصت میں تمباکو پیتا اور گل کو مختلف کاموں میں مصروف دیکھتا رہتا۔ مگر پھر اسے ایک خلش ستانے لگی۔ وہ گھر کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں وہ گل کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ اب یہ خیال اسے کچوکے دیتا کہ وہ اپنے ماں باپ اور بہن کے قاتلوں کی بیٹی کو گھر لے جا رہا ہے۔ اس کے گھر والوں کی روحیں اس پر ناخوش ہوں گی۔ اس خلش کے زیر اثر بھی وہ کبھی گل کی محبت سے دست بردار نہیں ہوا۔ البتہ وہ یہ ضرور سوچتا کہ گھر جانے کا خیال دل سے نکال کر کسی بستی میں اپنے اور گل کے لیے چھوٹا سا گھر بنائے۔ پڑاؤ کے دوران کبھی وہ دور افق پر نظر جمائے ایک چھوٹے سے کچے مکان کو تکتا رہتا۔ جس کے آنگن میں پھول مسکراتے...... گل کی شاخوں پر کھلنے والے مستقبل کے پھول!

کام ختم کر کے گل اس کے کندھے پر سر ٹکا کر بیٹھ جاتی۔ اس کی خاموشی شیر دست کو ان سنے حسین نغمے سناتی۔ وہ دونوں آسمان پر چاند کی بادلوں سے آنکھ مچولی دیکھتے رہتے۔ مسکراتے، پلکیں جھپکاتے تاروں کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنستے۔ کبھی کوئی تارا ٹوٹتا تو گل گھبرا کر اس کے اور قریب ہو جاتی۔

پھر اس نے گل کو اپنے خوابوں میں شریک کرلیا۔ اسے بتادیا کہ وہ کیسا گھر چاہتا ہے...... اور یہ کہ وہ گھر گل کے بغیر مکمل نہیں ہوگا۔ اس روز گل کی آنکھوں میں اس نے ستارے

رقص کرتے دیکھے، پھول اس کے ہونٹوں پر کھلتے اور مہکتے دیکھے۔ وہ بہت خوش تھا۔

✿ ✿ ✿

ایک صبح گل سے اٹھا نہیں گیا۔ شیر دست نے اسے چھو کر دیکھا تو پتا چلا کہ وہ بخار میں پھنک رہی ہے۔ شیر دست پریشان ہوگیا۔ اس حال میں سفر ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف موسم کے تیور بدل رہے تھے۔ سردی کی رُت آرہی تھی۔ کم از کم بیمار گل کے لیے تو یہ پڑاؤ مناسب نہیں تھا۔

الاؤ دہکا کر وہ کسی مناسب سی جگہ کی تلاش میں نکلا۔ وہ پریشان تھا۔ سرد ہوائیں اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ ہی دن میں برف باری شروع ہو جائے گی۔ مسئلہ یہ تھا کہ گرم کپڑے نہ اس کے پاس تھے نہ گل کو میسر تھے۔ اس علاقے میں زندگی کی تن آسانیاں نہیں، سختی ہی سختی تھی۔ یہاں انسانی ضرورت کی چیزیں بھی آسانی سے نہیں ملتی تھیں۔ یہاں زندہ رہنے کے لیے موسم سے سمجھوتا ضروری تھا اور موسم سے سمجھوتے کا انحصار صرف عناصر فطرت پر تھا، جو انتہائی بے رحمی سے انسان کی تربیت کرتے ہیں۔ شکار بھی کم ہو گیا تھا۔ شیر دست کی خواہش تھی کہ کارتوس بھی محفوظ رہیں اور کام بھی چلتا رہے۔ اس کے لیے وہ پتھروں سے خرگوش کا شکار کرتا۔ کبھی کبھی مچھلیاں بھی مل جاتی تھیں۔

کچھ آگے جا کر اسے ایک غار کا دہانہ نظر آیا۔ اس نے اندر جا کر دیکھا۔ اپنے دہانے کے برعکس غار اندر سے بہت کشادہ تھا اور ان کے لیے ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ گل صحت یاب ہونے تک وہاں آرام سے رہتی۔ اس غار کے اور بھی بہت فائدے تھے۔

وہ اپنے پڑاؤ پر واپس پہنچا تو اسے چوکنا ہو جانا پڑا۔ وہاں سے اسے مردانہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ وہ خود کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن جب پڑاؤ میں موجود شخص پر اس کی نظر پڑی تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ وہ تو گل باز خان تھا۔ اس نے دور سے ہی پکارا ”گل باز خان...... او یارا! تم کہاں سے آگئے؟“

گل باز لڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا ”میں تو یارا کب سے تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔“

”تو یہاں کیسے رُک گئے۔ میں تو موجود تھا ہی نہیں۔“

”گل باز مسکرایا ”یارا تمہارے گھوڑے کو پہچان لیا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ تم ہو۔

یہ لڑکی کون ہے؟“

”لمبی کہانی ہے۔“ شیر دست نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”لیکن ابھی کام کرنا ہے۔ میری مدد کرو۔ اسے ایک غار تک لے جانا ہے۔ یہ بیمار ہوگئی ہے۔“

انہوں نے مل کر بخار میں پھنکتی گل کو گھوڑے پر بٹھایا۔ دوسرے گھوڑے پر انہوں نے سامان اور دوسری چیزیں لادی تھیں۔ گل کے گھوڑے کی لگام شیر دست نے تھام لی۔ گل باز اپنے اور سامان والے گھوڑے کو لے کر چل رہا تھا۔

غار کو انہوں نے عارضی گھر کی طرح تیار کرلیا۔ شیر دست نے گھاس کا بستر بچھا لیا تھا۔ لڑکی کو بستر پر لٹا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نقاہت جھانک رہی تھی۔

شیر دست نے غار کے باہر الاؤ دہکایا اور قہوہ بنانے کے لیے پانی رکھ دیا۔ پھر وہ گل باز کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔

”اب بتاؤ یارا، یہ لڑکی کون ہے؟“ گل باز نے پوچھا۔

”ٹونگا قبائل کے سردار کی بیٹی ہے۔“ شیر دست نے شرمندگی سے کہا ”اس کے باپ اور بھائی کو میں نے ختم کردیا۔ میں نے انتقام لے لیا۔“

گل باز نے حیرت سے اسے دیکھا ”یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟“

”ٹھیک کہہ رہا ہوں یارا! میں نے اس لڑکی کے ساتھ بھی بڑی زیادتی کی لیکن اب سوچتا ہوں کہ اس میں اس کا کیا قصور ہے۔“ وہ کہتے کہتے رُک گیا اس کی نظریں جھک گئیں ”میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں یارا! یہ مجھے اچھی لگتی ہے۔“

”یہ ناممکن ہے شیر دست!“

”کیوں؟ اس کے گھر کے مردوں نے ہمارا گھر تباہ کیا۔ تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔“

”تم میری بات نہیں سمجھے یارا! تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ گل باز نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ”نہ یہ لڑکی ٹونگا قبائل سے تعلق رکھتی ہے اور نہ اس کے باپ اور بھائی ٹونگہ ہوں گے۔“

حیرت سے شیر دست کا منہ کھل گیا۔ چند لمحے تو وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکا۔ پھر وہ سنبھلتے ہوئے بولا ”کیا مطلب؟“

”اس پورے علاقے میں ٹونگا نام کا کوئی قبیلہ موجود نہیں۔ افریقہ میں ہو تو میں کہہ

نہیں سکتا۔“

شیر دست کے پاس حیرت کے سوا کچھ نہیں تھا ”تو پھر......؟“

”ہمارے گھر اُجاڑنے والے، ہمارے گھر والوں کو قتل کرنے والے ٹونگا قبائلی نہیں تھے۔ ٹونگا قبائلیوں کا تو وجود ہی نہیں۔“

”تو پھر یہ لڑکی اور اس کے باپ اور بھائی......“

”وہ بھی ٹونگا نہیں تھے۔ تم نے غلط فہمی میں انہیں مار ڈالا۔ بڑا ظلم کیا۔“

شیر دست کا چہرہ یوں سپید پڑ گیا جیسے کسی نے اس کے جسم میں خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا ہو ”تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”میں بے وقوف نہیں ہوں کہ ہر سنی ہوئی بات پر یقین کرلوں۔“ گل باز نے تیز لہجے میں کہا ”مجھے تو پہلے اس بڈھے خبیث پر شک تھا۔“

”شیر دست سناٹے کی سی کیفیت میں تھا ”کس کی بات کررہے ہو؟“

”اس منحوس سمندر خان کی۔ وہ ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے خواہ مخواہ ٹونگا قبائل کا نام گھڑا تھا...... ہمیں بھٹکانے کے لیے۔“

”مگر تمہیں کیسے پتا چلا؟“

”شک تو مجھے تھا۔ میں نے ادھر ادھر پوچھ گچھ کی۔ کسی نے ٹونگا قبائل کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ بڑے بوڑھے تک انکاری تھے۔ سب نے یہی کہا تھا کہ اس نام کا کوئی قبیلہ اس علاقے میں کبھی نہیں رہا۔“

”مگر سمندر خان کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”تم بہت بھولے ہو یارا؟ اپنا جرم چھپانے کے لیے آدمی جھوٹ نہیں بولے گا تو کیا کرے گا۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ...... ہمارا گھر سمندر خان نے تباہ کیا تھا؟“

”ہاں...... اس کے ساتھ اس کے بیٹے اور کچھ اور لوگ بھی تھے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتی یہ بات۔ اسے ہم سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔“

”دشمنی تو تھی۔ خانہ بدوش اپنے کسی ساتھی کا یوں ٹوٹنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں یہی ہوتا رہا تو ایک دن قبیلہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ ہمارے رشتوں سے بھی خوش نہیں تھا۔ میری اور تمہاری شادی وہ اپنی پوتیوں سے کرنا چاہتا تھا اور تہمینہ اور زرینہ کی

شادی اپنے پوتوں سے اور ایک بات تمہیں معلوم نہیں۔ تایا کی شادی سمندر خان کی بیٹی سے طے تھی۔ تایا نے تائی سے شادی کرلی تو اس کی بیٹی نے خودکشی کرلی۔ یہ بات سمندر خان کبھی نہیں بھول سکا اور اس کی بیٹی کی تائی...... یعنی تمہاری ماں کی وجہ سے جان سے گئی۔''

شیر دست کچھ بول نہیں سکا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں ''تو ابھی انتقام لینا ہے۔''

''میں انتقام لے چکا ہوں۔ گل باز نے سرد لہجے میں کہا'' میں نے سمندر خان کے خاندان میں کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔

''تو میں محروم رہ گیا۔'' شیر دست نے متاسفانہ لہجے میں کہا پھر اسے کچھ خیال آیا'' اور وہ میرے ہاتھوں سے مارے گئے۔''

''ان کی موت یونہی لکھی تھی۔'' گل باز نے بے پروائی سے کہا'' اب اس لڑکی کے ذریعے تلافی کرو۔ اسے خوش رکھو۔ خوشیاں دو۔ اسے گھر لے چلو اور گھر بساؤ۔''

''ہاں، یہی ایک صورت ہے تلافی کی۔'' شیر دست نے کہا'' ابھی تو ممکن نہیں۔ وہ ٹھیک ہوجائے تو میں سیدھا گھر آؤں گا۔''

شیر دست نے قہوہ نکالا اور گل باز کو دیا۔ گل باز نے قہوہ پی لیا تو اس نے مگ میں اور قہوہ انڈیلا اور غار کے اندر چلا گیا۔ گل باز اس کے پیچھے تھا۔

گل آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ شیر دست نے سہارا دے کر اسے بٹھایا'' لو...... گرم گرم قہوہ پی لو۔''

وہ اسے اپنے ہاتھ سے قہوہ پلاتا رہا۔ پھر اسے بڑی نرمی سے لٹا دیا'' یہ میرا چچازاد بھائی ہے...... گل باز!'' اس نے گل کو بتایا۔

گل باز نے گل کے پاس بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے'' شیر دست نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔ میں تمہیں اپنی بھابی بناؤں گا!'' اچانک گل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

گل باز نے اس کے آنسو پونچھ دیے'' رونا مت۔'' اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا'' تم دنیا میں اکیلی نہیں ہو۔ یہ شیر دست بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہارے سب دکھ دھو دے گا...... اور ہاں، میں تمہارا بھائی ہوں۔ تمہارا اپنا گھر بھی موجود ہے اور میرا گھر بھی موجود ہے۔ وہ بھی تمہارا گھر ہے، تمہارے پاس سب کچھ ہے کسی چیز کی کمی نہیں۔ بس خوش رہو۔''

گل اور زیادہ رونے لگی۔ گل باز اسے سینے سے لگا کر تھپکیاں دیتا رہا'' نہ رو میری بہن! دیکھ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ تیرے استقبال کا بندوبست کروں گا۔ تو جلدی سے طبیعت ٹھیک کرلے۔ پھر آجانا۔ شیر دست تیرا خیال رکھے گا۔ اب مسکرا کر دکھا جلدی سے۔''

اور گل آنسوؤں کے درمیان ہی مسکرا دی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنوں کے درمیان ہو۔

❁ ❁ ❁

گل باز چلا گیا تھا۔ گل کا بخار ذرا دیر کے لیے اُترا۔ مگر پھر چڑھ گیا۔

وہ دس بارہ دن رُکنے پر مجبور ہوگئے۔ اس دوران شیر دست نے تیمارداری کا حق ادا کردیا۔ پورا ایک دن وہ جنگل میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں مارامارا پھرا۔ پھر اس نے ان جڑی بوٹیوں کو اُبال کر گل کو باقاعدگی سے پلایا۔

دس بارہ دن میں بخار اُترا۔ مگر گل بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اس حال میں وہ سفر نہیں کرسکتے تھے۔ ویسے غار میں انہیں کوئی تکلیف بھی نہیں تھی۔ غار کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ وہاں شکار آسانی سے مل جاتا تھا۔ غار کے دہانے کے ساتھ جانوروں کی گزرگاہ تھی۔ جس پر چل کر وہ ندی کی طرف جاتے تھے۔ شیر دست بڑی آسانی سے انہیں شکار کرلیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے گل کا خیال رکھنے کا پورا موقع مل گیا۔ غار سے باہر جانے کی اسے ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ رات کو وہ الاؤ دہکا لیتا اور صبح کو بجھا دیتا۔

اب گل صحت مند ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر رنگ دوڑنے لگا تھا۔

❁ ❁ ❁

اس روز گل صبح سویرے اٹھ گئی۔ شیر دست ابھی سو رہا تھا۔ وہ اٹھی اور غار سے نکل آئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ندی پر گئی ورنہ شیر دست غار میں ہی اس کا ہاتھ منہ دُھلا دیتا تھا۔

وہ غار کے دہانے پر کمبل میں لپٹ کر بیٹھ گئی۔ سردی کافی تھی۔ مگر صبح کی نرم دھوپ میں وہاں بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ سوچنے کو اس کے پاس شیر دست کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ اب وہی اس کی سوچوں کا محور تھا۔

اسے وہ دن یاد آیا، جب وہ پہلی بار اس غار میں آئے تھے۔ بخار میں نڈھال ہونے کے باوجود اس نے شیر دست اور گل باز کی گفتگو سنی تھی۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ شیر دست نے اس کے بابا اور بھائی کو غلط فہمی میں قتل کیا تھا۔ مگر ان کی گفتگو سے اسے سب کچھ معلوم ہوگیا۔ اس

کا دل دکھ سے بھر گیا۔

اس روز اس نے محسوس کیا کہ شیر دست اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ وہ اس سے شرمندہ تھا اور دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کر رہا تھا۔ اس نے شیر دست کا چہرہ ہاتھ سے اوپر اُٹھایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ پھر نظریں چرانے لگا۔ اس نے زبردستی اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور آسمان کی سمت اشارہ کیا۔ وہ اسے سمجھانا چاہ رہی تھی کہ جو کچھ ہوا، وہ مشیت تھا۔ وہ اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ پھر اس نے شیر دست کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کئی بار چوما۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے شیر دست کا ہاتھ بھیگ گیا۔ شیر دست نے اسے سینے سے لگا لیا۔

اس صبح غار کے دہانے پر بیٹھے بیٹھے اسے گل باز یاد آیا، جس نے بڑے خلوص سے اسے بہن بنایا تھا۔ پھر اسے اس گھر کا خیال آیا، جو اس کا اپنا تھا لیکن اس نے کبھی وہ گھر دیکھا نہیں تھا۔ وہ اس گھر کا تصور کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کا دل انجانی خوشی سے بھر گیا۔ وہ کیسا سچا خواب تھا، جو قدرت اسے دکھاتی تھی...... اور اس کی کیسی سچی تعبیر ملی تھی اسے۔

اسے بے تابی ہونے لگی۔ جی چاہتا تھا کہ اُڑ کر وہاں پہنچ جائے، جہاں گل باز اسے بھابی بنانے کی تیاری کر رہا تھا۔

اندر کی آوازوں سے اندازہ ہوا کہ شیر دست جاگ چکا ہے......

✿ ✿ ✿

ناشتے کے بعد شیر دست نے اس سے پوچھا ''اب تم سفر کر سکتی ہو؟''

اس نے بے تابی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ اب وہ دونوں گھر پہنچنے کے لیے بے تاب تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سرشار تھے۔ اسی لیے اس سفر کی رفتار تیز تھی۔ تین دن بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے، جو انہیں اس پڑاؤ کی یاد دلاتا تھا جہاں وہ پہلی بار ملے تھے، جو ان کی تلخ و شیریں یادوں کا مرکز تھا۔

دونوں نے مسکراتی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا ''آج یہاں قیام کریں؟'' شیر دست نے پوچھا۔

گل نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہاں سب کچھ وہی تھا۔ وہی پہاڑی اور اس کا چھجا، وہی پہاڑی چشمہ اور آگے جا

کر وہی پہاڑی ندی۔ مگر یہ جگہ اس اعتبار سے مختلف تھی کہ اب وہ ایک دوسرے میں گم تھے اور ان کے درمیان صرف محبت کا رشتہ تھا۔

مگر پچھلے تین دنوں میں شیر دست بے چین رہا تھا۔ ہر لمحے اسے یہ احساس ستاتا رہا تھا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ چھپ چھپ کر ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ بار ہا اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ مگر کہیں کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہو سکا۔ تعاقب کا احساس بدستور اس کے ذہن سے چپکا رہا۔ وہ اعصاب زدہ سا ہو گیا۔

گل نے گھاس جمع کر کے وہی بستر اور تکیئے تیار کیے، جو اس نے شیر دست سے سیکھا تھا۔ رات کھانے سے فارغ ہو کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ دونوں سوچوں میں گم تھے...... اور اس برسات کو یاد کر رہے تھے، جس نے ان کے دلوں میں محبت کے پھول کھلائے تھے۔

وہ پورے چاند کی رات تھی۔ ہر چیز چاندنی میں نہائی ہوئی تھی۔ وہ ستاروں بھرے آسمان کو تکتے، اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔ اچانک شیر دست کو احساس ہوا کہ گل اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس نے گل کو دیکھا۔ اس کے ہونٹ یوں لرز رہے تھے، جیسے ان میں کوئی پرانی ان کہی بات تھرک رہی ہو۔ لیکن اسی لمحے ایک آہٹ نے شیر دست کو چونکا دیا۔

وہ ریوالور تھام کر دبے قدموں چلا۔ اسی لمحے اسے وہ نظر آ گیا، جس نے تین دن سے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

وہ گل اور اس کے خاندان کا وہی پالتو کتا تھا، جو کسی بد روح کی طرح ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ عقب سے شیر دست کو قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ شاید وہ گل تھی۔ مگر شیر دست نے اس کی طرف نہیں دیکھا اور کتے پر گولی چلا دی۔ الاؤ کے گرد پڑی ہڈیوں کو بھنبھوڑتا ہوا کتا اچھل کر ڈھیر ہو گیا۔

شیر دست نے دیکھا۔ کتا بہت لاغر ہو گیا تھا۔ جانے اتنے دنوں میں اسے کچھ کھانے کو بھی میسر آتا ہو گا یا نہیں۔ بہر حال اب وہ بھوک سے آزاد ہو گیا تھا۔

گل کتے کی لاش کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بہت اُداس نظر آ رہی تھی۔ وہ کتے کی لاش کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور سوگوار نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''میں کیا کرتا۔'' شیر دست نے جھلا کر کہا ''یہ بد روح کی طرح ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نے میری نیند حرام کر دی تھی۔''

گل کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے قریب کے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ

گئی۔ وہ کتے کی لاش کو تکے جا رہی تھی۔ شیر دست بھی کھڑا رہا۔ پھر اس نے گل کو بستر کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

شیر دست وقفے وقفے سے اصرار کرتا رہا۔ گل نے اشاروں میں اسے کہا کہ وہ جا کر سو جائے اور اسے تنہا چھوڑ دے۔

شیر دست جا کر سو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس وقت گل کو سمجھانا بے کار ہے۔

✿ ✿ ✿

شیر دست جاگا تو گل اسی طرح درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یقیناً وہ ندی سے ہو کر آئی تھی۔ شیر دست کو اس کی حماقت پر غصہ آنے لگا۔ ابھی بخار سے اٹھی ہے اور اس موسم میں ٹھنڈے پانی سے نہالی۔

شیر دست نے جا کر کمبل اٹھالایا۔ اس نے گل کو کمبل اوڑھا دیا۔ وہ جواباً مسکرائی۔ اس وقت وہ بے حد ترو تازہ اور شگفتہ دکھائی دے رہی تھی۔ رات والی اداسی کا اب دور دور تک نام و نشان بھی نہیں تھا۔

شیر دست ندی کی طرف چلا گیا۔

لڑکی نے اٹھ کر الاؤ دہکایا اور قہوہ بنایا۔ وہ دونوں مکئی کے دانے کھاتے اور ایک ہی مگ سے قہوے کے گھونٹ لیتے رہے۔ گل کی آنکھیں اس وقت بہت زیادہ چمک رہی تھیں لیکن شیر دست کو احساس ہو رہا تھا کہ اسے دیکھتے ہوئے کبھی کبھی وہ اُداس ہو جاتی ہے۔

گل کے جسم کی تھرتھراہٹ کمبل نے کم کر دی تھی۔ دھوپ نکلی تو وہ تھرتھراہٹ معدوم ہو گئی۔ شیر دست نے اس کا ہاتھ تھاما اور ندی کی طرف چل دیا۔ اس نے بندوق ایک درخت کے تنے سے ٹکا کر رکھی۔ اپنی قمیص ایک بڑے گول پتھر پر رکھی اور قمیص پر ریوالور رکھ دیا۔ پھر وہ پانی میں اُتر گیا۔

پانی بے حد سرد تھا۔ اس کے باوجود شیر دست کو خوش گواری کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر گل کو اشارہ کیا۔ وہ مسکرا دی۔

شیر دست ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کپڑوں کے قریب بیٹھی ہوئی گل بہت حسین لگ رہی تھی۔ سرشاری کے عالم میں شیر دست نے سیٹی پر ایک مشہور لوک گیت کی دُھن چھیڑ دی۔ سیٹی کی دُھن سن کر گل کے چہرے پر خوشی کا تاثر ابھرا۔ شیر دست نے اس کی

طرف پانی اچھالنا شروع کر دیا۔ وہ مسکراتی رہی۔

شیر دست نے ایک غوطہ لگایا۔ وہ سطح پر اُبھرا تو کسی نے سخت لہجے میں پکارا ''شیر دست!''

وہ خوب صورت نسوانی آواز تھی۔ مگر لہجہ موسم سے، یخ بستہ پانی سے بھی سرد تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گل اس کی قمیص سے دور ہٹ چکی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں سختی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شیر دست کا ریوالور تھا اور ریوالور کا رخ شیر دست کی طرف تھا۔

حیرت نے شیر دست کو یوں جکڑا کہ وہ جہاں تھا، وہیں ساکت ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس سرد آواز اور سفاک لہجے کی مالک وہی لڑکی ہے، جسے وہ اب تک گونگا سمجھتا رہا تھا۔

مگر اس بار اس نے حسین اور نازک لبوں کو اپنی آنکھوں سے ہلتے دیکھا ''بس اب باہر آ جاؤ شیر دست!''

شیر دست اسے آنکھیں مل مل کر دیکھ رہا تھا۔ اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جلدی کرو شیر دست، باہر آ جاؤ'' اس بار لڑکی کے لہجے میں اضطراب تھا۔

شیر دست باہر نکل آیا۔ سکتے کی سی کیفیت میں اس نے اپنی قمیص پہنی اور آگے بڑھا۔

''دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا لو...... اور ہاں......دس قدم آگے نہ بڑھنا'' گل نے سخت لہجے میں تنبیہہ کی۔

شیر دست نے دونوں ہاتھ بلند کر لیے اور دس قدم آگے بڑھ کر رُک گیا۔ وہ لڑکی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب تو اسے لڑکی کے نام پر بھی شک ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تو دن کے اجالوں میں ہی لٹ گیا تھا ''تت......تت......تم......تم......'' اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن الفاظ بھی نہیں ملے۔

''بہت حیران ہو؟'' اس بار لڑکی کا لہجہ نرم تھا۔ آواز میں کھنک تھی۔

شیر دست کو اس کی آنکھوں میں وہی باتیں کرتی چمک دکھائی دی، جس نے اس کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اچانک اس کا اعتماد لوٹ آیا ''تم کیا چاہتی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنے باپ اور بھائی کا انتقام، جنھیں تم نے میری آنکھوں کے سامنے مار ڈالا تھا۔''

''ہاں، مجھے بھی انتقام لینا تھا۔'' شیر دست نے بے خوفی سے کہا۔

"لیکن وہ تمہارے مجرم نہیں تھے۔"

"میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔"

"یہ صفائی ناکافی ہے۔ہم تمہیں ٹونگا قبائل لگتے تھے......"

"شیر دست حیران نظر آنے لگا......

"مجھے سب معلوم ہے شیر دست۔اب مجھ سے ملو۔ میں احمد زئی قبیلے کی گل ہوں...... نیلی بستی کے سردار ضرغام کی بیٹی اور سچ مچ کے کڑیل جوان شیر دل کی بہن۔تم نے میرے باپ اور بھائی کو بے سبب قتل کیا تھا۔"

شیر دست کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن گل نے اس کی بات کاٹ دی "مجھے افسوس ہے۔تم انتقام لینے میں بھی بزدل ثابت ہوئے۔تم نے یہ معلوم کرنے کی زحمت بھی نہیں کی کہ ہم تمہارے مطلوبہ دشمن ہیں یا نہیں۔تم نے خبردار بھی نہیں کیا اور جان لیوا فائرنگ کر دی۔"

پچھتاوے کا سفاک پنجہ شیر دست کے دل کو چیرتا چلا گیا "ہاں، یہ میری غلطی تھی اور اس کی سزا موت ہے۔" اس نے کہا "لیکن تمہیں محبت کا کھیل رچانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو اپنے کئے پر ویسے ہی پچھتا رہا تھا۔ میں خود اپنی سزا قبول کر چکا تھا۔اسی لیے میں نے ریوالور خالی کر کے کبھی نہیں رکھا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں موقع دیا کہ تم مجھ سے بدلہ لو۔میرے ضمیر کا بوجھ اسی صورت میں کم ہو سکتا تھا۔اب تم اسے بھی میری بزدلی کہہ لو۔"

"نہیں...... تم بزدل نہیں ہو۔ بات صرف اتنی ہے کہ تم زندگی سے پیار کرنے والے ہو۔ایسے لوگوں کو انتقام راس نہیں آتا۔"

"اور تم گونگی بنی رہیں۔تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟ تم نے پہلے ہی مجھے کیوں نہیں مار دیا؟ میں نے تو تمہیں بہت موقعے دیے......"

"میں ایسا کر سکتی تھی لیکن فرض پر محبت غالب آ گئی تھی۔ میں تو تمہیں پا کر سب کچھ بھول گئی تھی۔تم تو کچھ جانتے ہی نہیں۔تم میرے خوابوں کے شہزادے ہو اور یہ زندگی بھی تو تمہاری ہی دی ہوئی ہے...... ایک بار نہیں، تین بار۔" گل اب محبت پاش لہجے میں کہے جا رہی تھی "پہلی بار تم نے مجھے اس وقت زندگی دی، جب تم تشدد کر کے مجھے ختم کر سکتے تھے۔مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔دوسری بار تم نے مجھے ریچھ سے بچا کر نئی زندگی دی اور تیسری بار جب میں بیمار ہوئی تو تم نے تیمارداری کر کے مجھے بچا لیا۔مجھے افسوس ہے......"

"صرف اتنا کہہ دو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" شیر دست نے التجا کی۔

"یہ تو میں پوری سچائی سے کہہ سکتی ہوں۔تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔"

"تم بدل کیسے گئیں گل؟"

"تم نے میرے کتے کو مار کر برا کیا۔اس کی لاش نے مجھے میرا فرض یاد دلا دیا۔"

"جب میں نے تمہیں فرار ہونے کے...... خود کو ختم کرنے کے موقعے دیے، تب مجھے زندگی سے اتنا پیار نہیں تھا گل! اب میں خواب دیکھتا ہوں...... تمہارے اور اپنے گھر کے خواب! کیا یہ خواب پورے نہیں ہوں گے گل؟"

"میں نے بھی اس دن سے یہی خواب دیکھے ہیں شیر دست! لیکن ہماری روحوں پر بہت قرض ہے۔یہ خواب ہماری روحوں کی آزادی کی قیمت ادا کریں گے۔"

"ایک آخری سوال ہے گل! تم گونگی کیوں بنی رہیں؟"

"بارش والے دن جذبات نے مجھے شل کر دیا تھا۔ایسے میں لڑکیوں پر بے زبانی ہی سجتی ہے۔رات سونے سے پہلے میں تمہیں کچھ بتا دینا چاہتی تھی۔میں تم سے اپنے اور تمہارے گھر کی باتیں کرنا چاہتی تھی۔مگر پھر کتے کے آنے پر تم اٹھ گئے اور موقع نکل گیا۔"

شیر دست دو قدم آگے بڑھ آیا۔اب ان کے درمیان بمشکل دس قدم کا فاصلہ تھا "ٹھیک ہے گل، چلاؤ گولی۔" اس نے بے حد محبت سے کہا "تمہاری محبت کی سچائی کے بعد مجھے کسی چیز کی تمنا نہیں رہی۔تم ٹھیک کہتی ہو۔ہماری روحیں مقروض ہیں۔"

معاً گل کی آنکھوں میں ناقابل بیان کرب جھلک آیا "مجھے تم پر فخر ہے شیر دست۔ میں تمہارے ساتھ ہی چلتی۔مگر یہ آخری خوشی بھی میرے نصیب میں نہیں۔ مجھے ایک فرض پورا کرنا ہے۔بابا کا خط دلاور کو پہنچانا ہے۔خدا حافظ شیر دست!" یہ کہتے ہوئے اس نے ہونٹ بھینچ لیے اور دو گولیاں چلا دیں۔دونوں گولیاں شیر دست کے پیٹ میں لگیں۔وہ ڈگمگا کر رہ گیا لیکن گرا نہیں۔

اسی لمحے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز گونجیں...... اور پھر اچانک گل باز سامنے آ گیا۔ اس نے یہ منظر دیکھ لیا تھا "کیا کر رہی ہو گل؟"

"اپنا فرض پورا کر رہی ہوں بھائی۔اچھا ہوا تم آ گئے۔اب اپنی خوشی بھی پوری کر لو گی۔" گل نے کہا اور اس بار ریوالور کا رخ اپنے پیٹ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔اس بار بھی دو گولیاں چلی تھیں۔

شیر دست دو تین قدم آگے بڑھا تھا۔ پھر وہ گر گیا۔ گل بھی گر چکی تھی۔ شیر دست گھسٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔

''بھائی..... جلدی آؤ۔ میری بات سنو۔'' گل نے گل باز کو پکارا۔

گل باز گھوڑے سے اُترا اور اس کے پاس آیا۔ اس وقت تک شیر دست گھسٹتا ہوا وہاں پہنچ چکا تھا۔

''یہ کیا کر دیا تم نے؟'' گل باز نے گل سے کہا ''میں تو تم لوگوں کو لینے کے لیے آیا تھا۔''
یہ ہمارے نصیب میں نہیں تھا بھائی۔'' گل نے اٹک اٹک کر کہا ''ایک بات بتاؤ، تم سچ مچ میرے بھائی ہو نا؟''

''ہاں..... میں تمہارا بھائی ہوں۔''

''میرا ایک کام کر دو بھائی۔'' گل نے کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا ''یہ خط خان دلاور کو پہنچا دو۔ کہنا تیلی بستی کے سردار ضرغام کا پیغام ہے۔''

گل باز نے خط لے لیا۔ میں تمہیں کسی قریبی بستی میں لے چلوں گا۔ تم دونوں بچ سکتے ہو۔''

''نہیں یارا۔ ہمیں یہیں ایک دوسرے کے قریب مرنے دو'' شیر دست نے ٹوٹتی سانسوں کے درمیان کہا ''ہم بچ نہیں سکتے۔'' پھر بولا ''یارا..... ایک بات بتاؤ۔ گھر یہاں سے بہت دور تو نہیں ہے؟''

''نہیں زیادہ دور نہیں ہے۔''

''تو مرنے کے بعد ہمیں گھر لے جانا اور ماں کے برابر دفن کرنا ہمیں۔''

''گل باز کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

آسمان پر سفر کرتے ہوئے سورج نے ان دونوں کو دیکھا تو وہ ایک دوسرے کے بہت قریب، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آخری سانسیں لے رہے تھے۔ ان کی نظریں مغربی افق پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں خواب تھے۔ ایسے خواب جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتے تھے کہ اب ان کی تعبیر نہیں مل سکتی۔ دل گرفتہ ہو کر سورج نے قریبی بادلوں میں منہ چھپا لیا۔ اس کے ساتھ ہی اداسی بڑھ گئی۔ اندر اور باہر کے موسم پھر ہم آہنگ ہو گئے تھے۔

سانس کی ڈور بھی ٹوٹ گئی!

☼...☼...☼